وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسیر السعدی (اردو)

تفسیر شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی ؒ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

دارالسلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ٭ جدہ ٭ شارجہ ٭ لاھور
لندن ٭ ھیوسٹن ٭ نیو یارک

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر

تیسیر الکریم الرحمن

فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

پارة نمبر پندره 15

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ **عبدالرحمان بن ناصر السعدی** رحمہ اللہ

تحقیق: **عبدالرحمان بن معلا اللویحق** حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: **حافظ صلاح الدین یوسف** حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: **پروفیسر طیب شاہین لودھی** حفظہ اللہ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ
يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ) (روزِ قیامت) فرمائیں گے :
"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پس پُشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/ ۳۰)

فرمانِ نبوی

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ
بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارۃ نمبر پندرہ 15

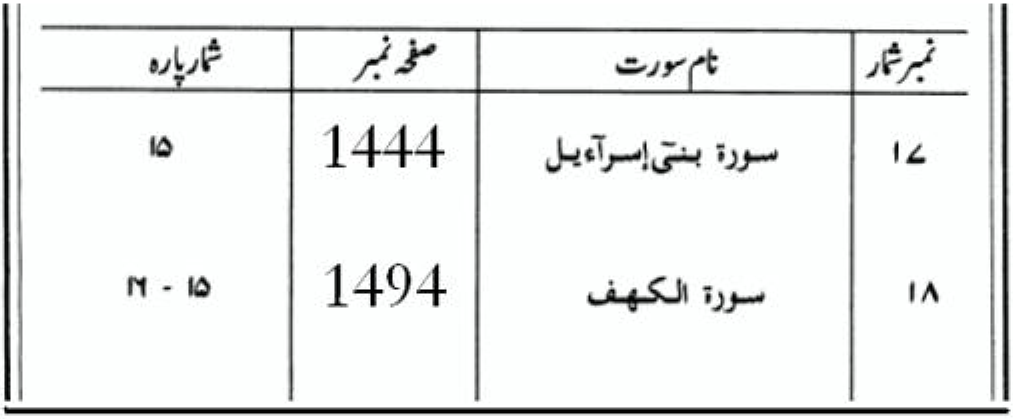

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱۷	سورۃ بنی إسرآءیل	1444	۱۵
۱۸	سورۃ الکہف	1494	۱۵ - ۱۶

تفسیر سورۂ بنی اسراءیل

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل (١٠) مَكِّيَّةٌ (٥٠)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

اٰیَاتُهَا ١١١
رُكُوْعَاتُهَا ١٢

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

پاک ہے وہ (اللہ) جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام (بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک،

الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

وہ جو برکت رکھی تھی ہم نے اس کے اردگرد، تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی کچھ نشانیاں بلاشبہ وہی ہے خوب سننے والا، دیکھنے والا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات مقدس کی تنزیہ وتعظیم بیان کرتا ہے کیونکہ اس کے افعال بہت عظیم اور اس کے احسانات بہت جسیم ہیں۔ اس کے جملہ افعال واحسانات میں سے ایک یہ ہے ﴿ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ ''وہ رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو لے گیا۔'' یعنی وہ اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو راتوں رات لے گیا ﴿مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''مسجد حرام سے'' جو علی الاطلاق تمام مساجد میں جلیل ترین مسجد ہے۔ ﴿ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾ ''مسجد اقصیٰ تک'' جو فضیلت والی مسجدوں میں شمار ہوتی ہے اور وہ انبیاء کرام کی سرزمین ہے۔

جناب نبی مجتبیٰ ﷺ کو ایک ہی رات میں بہت دور مسافت تک لے جایا گیا پھر اسی رات واپس لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں جن سے ہدایت، بصیرت، ثبات اور قوت تفریق وامتیاز میں اضافہ ہوا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی آپ پر عنایت اور لطف وکرم ہے کہ اس نے تمام امور میں آپ کے لئے بھلائی کو آسان فرما دیا اور آپ کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کی بنا پر آپ نے تمام اولین وآخرین پر فوقیت حاصل کی۔ آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اسراء'' کا یہ واقعہ رات کے ابتدائی حصے میں پیش آیا اور سفر مسجد حرام سے شروع ہوا مگر صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے رات کے اس سفر پر لے جایا گیا۔① اس سے ظاہر ہوا کہ مسجد حرام کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ تمام حرم کے لئے ہے۔ حرم میں عبادات کا ثواب اسی طرح کئی گنا بڑھ جاتا ہے جس طرح مسجد حرام میں عبادت کا ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے، نیز یہ ''اسراء'' (معراج) کا واقعہ آپ کو بیک وقت جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اگر آپ کو معراج جسم اور روح کے ساتھ نہ ہوئی ہوتی تو اس میں ''آیتِ کبریٰ'' کا کوئی مفہوم ہے نہ کسی بڑی منقبت کا کوئی پہلو ہے۔②

---

① تفسیر طبری: ٥/٩

② صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنام عینه...... الخ، حدیث: ٣٥٧٠

معراج کے واقعہ میں نبی اکرم ﷺ سے بہت سی صحیح احادیث منقول ہیں ان میں ان تمام امور کی تفاصیل مذکور ہیں جن کا آپ نے مشاہدہ کیا۔ آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا حتیٰ کہ آپ تمام آسمانوں کے اوپر چلے گئے۔ وہاں آپ نے جنت' جہنم اور تمام انبیاء کرام کو ان کے مراتب کے مطابق دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر پچاس نمازیں فرض کیں' پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے رہے حتیٰ کہ وہ بالفعل پانچ ہو گئیں مگر ان کا ثواب' پچاس نمازوں کا ہے۔ اس رات آپ کو اور آپ کی امت کو بہت سے مفاخر عطا کیے گئے جن کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں' قرآن مجید کو نازل کرنے کے ذکر کے مقام پر (سورۂ فرقان میں) اور جہاں قرآن کی بابت چیلنج کیا گیا' (سورۂ بقرہ میں) ان تینوں مقامات میں نبی ﷺ کی صفت عبودیت (آپ کے بندے ہونے کی خوبی) کو بیان فرمایا' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مقامات بلند اپنے رب کی عبودیت کی تکمیل کی وجہ ہی سے حاصل کیے ہیں۔

﴿ الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ ''وہ جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے'' یعنی درختوں' دریاؤں اور سدا بہار شادابی کے ذریعے سے برکت عطا کی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی برکت ہی ہے کہ مسجد اقصیٰ کو مسجد حرام اور مسجد نبوی کے سوا دیگر تمام مسجدوں پر فضیلت عطا کی گئی' نیز مسجد اقصیٰ میں عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے دور سے سفر کر کے جانا مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو اپنے نبیوں اور چنے ہوئے بندوں کے رہنے کے لئے مختص فرمایا۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ
اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے، یہ کہ نہ پکڑو تم سوائے میرے (کسی کو بھی)
وَكِیْلًا ۝ ② ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَیْنَآ
کارساز ○ (اے) اولاد ان لوگوں کی! جنھیں سوار کیا تھا ہم نے (کشتی میں) ساتھ نوح کے بیشک وہ تھا بندہ نہایت شکرگزار ○ اور فیصلہ سنا دیا ہم نے
اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا
بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں' البتہ تم ضرور فساد کرو گے زمین میں دو بار، اور البتہ تم ضرور سرکشی کرو گے سرکشی
كَبِیْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ
بہت بڑی ○ پھر جب آ گیا وعدہ پہلا ان دونوں میں سے تو مسلط کر دیئے ہم نے تم پر بندے اپنے، لڑائی والے نہایت سخت،
فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَیْهِمْ وَ
پس گھس گئے وہ درمیان شہروں کے، (قتل وغارت کیلئے) اور تھا یہ وعدہ (پورا) کیا ہوا ○ پھر دوبارہ دے دیا ہم نے تمھیں غلبہ ان پر، اور
اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ
بڑھایا ہم نے تمھیں ساتھ مالوں اور بیٹوں کے، اور کر دیا ہم نے تمھیں زیادہ تعداد میں ○ اگر نیکی (اچھائی) کرو گے تم تو نیکی کرو گے

لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَاط فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

اپنے نفسوں کیلئے، اور اگر برائی کرو گے تم تو (وہ بھی) اسی کیلئے ہوگی، پھر جب آیا وعدہ دوسرا (تو مسلط کیے ہم نے اور بندے تم پر) تاکہ وہ بگاڑ دیں تمہارے چہرے

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾ عَسٰى

اور تاکہ وہ داخل ہو جائیں مسجد (اقصیٰ) میں جیسا کہ وہ داخل ہوئے تھے پہلی بار، اور تاکہ وہ تباہ کردیں اس چیز کو جس پر غالب آئیں (مکمل) تباہ کرنا○ قریب ہے

رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ج وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا م وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾

وقف لازم

تمہارا رب، یہ کہ وہ رحم کرے تم پر، اور اگر تم دوبارہ (سرکشی) کرو گے تو ہم بھی دوبارہ (سزا) دیں گے، اور بنایا ہے ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ○

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نبوت محمدی اور نبوت موسوی، قرآن اور تورات اور دونوں کی شریعتوں کو مقرون (ساتھ ساتھ) بیان کیا ہے کیونکہ دونوں کی کتابیں سب سے افضل، دونوں کی شریعتیں سب سے کامل، دونوں کی نبوتیں سب سے اعلیٰ اور دونوں کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہاں فرمایا: ﴿ وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ''اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب'' یعنی تورات ﴿ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور کیا اس کو ہدایت واسطے بنی اسرائیل کے'' یعنی بنی اسرائیل جہالت کی تاریکیوں میں علم حق تک پہنچنے کے لئے تورات سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا ﴿ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴾ ''تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا'' اور ہم نے اس مقصد کے لیے ان کی طرف کتاب نازل کی تاکہ وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، صرف اسی کی طرف رجوع کریں، اپنے دینی اور دنیاوی امور میں اکیلے اسی کو اپنا کارساز اور مدبر بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کے ساتھ الوہیت کا کوئی تعلق نہ رکھیں جو کسی چیز کی مالک نہیں اور نہ وہ انہیں کوئی نفع دے سکتی ہے۔

﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ ''اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔'' یعنی اے ان لوگوں کی اولاد جن پر ہم نے احسان کیا۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ ''بلاشبہ وہ شکر گزار بندہ تھا'' اس میں نوح علیہ السلام کی، ان کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور شکر گزاری کی صفت سے موصوف ہونے کی بنا پر مدح و ثنا ہے اور ان کی ذریت کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ شکر کے بارے میں نوح علیہ السلام کی پیروی کریں اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کریں جس سے اس نے انہیں نوازا، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا کر باقی رکھا اور ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو غرق کر دیا۔ ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو'' یعنی ہم نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور انہیں ان کی کتاب میں آگاہ کیا کہ وہ نافرمانیوں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور زمین میں تکبر اور اقتدار کی بنا پر زمین میں دو بار فساد پھیلانے کا باعث بنیں گے۔ جب ان کی طرف سے ایک فساد واقع ہوا تو ہم نے ان پر دشمنوں کو مسلط کر دیا جو ان سے انتقام لیتے تھے۔ یہ ان کے لئے تحذیر و انذار تھا شاید کہ وہ لوٹ آئیں اور نصیحت پکڑیں۔

﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾ ''پس جب پہلے وعدے کا وقت آیا۔'' یعنی جب دو مرتبہ فساد کرنے کے وعدے

میں سے پہلے وعدے کا وقت آ گیا یعنی ان سے فساد واقع ہوا ﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ ﴾ ''تو ہم نے تم پر مسلط کر دیے۔'' یعنی ہم نے تکوینی تقدیر اور جزا کے طور پر تم پر مسلط کر دیے ﴿ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﴾ ''اپنے بندے سخت لڑائی والے'' بہت کثیر تعداد میں بہادر بندے جن کو اللہ نے تم پر فتح و نصرت عطا کی' انہوں نے تمہیں قتل کیا' تمہاری اولاد کو غلام بنایا اور تمہارے مال و متاع کو لوٹا۔ ﴿ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ﴾ ''پس وہ شہروں کے اندر پھیل گئے۔'' یعنی وہ تمہارے گھروں میں گھس گئے اور انہیں کو تہس نہس کر دیا۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر مسجد کو برباد کر دیا۔ ﴿ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴾ ''اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا'' چونکہ انہوں نے اس وعدے کے پورے ہونے کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے' لہٰذا اس وعدے کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اصحاب تفسیر کا مسلط ہونے والی قوم کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ کافر تھی۔ اس قوم کا تعلق یا تو عراق سے تھا یا وہ جزیرۃ العرب سے تھی یا ان کے علاوہ کوئی اور قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا کیونکہ ان کی نافرمانیاں بڑھ گئی تھیں' انہوں نے شریعت کے اکثر احکام کو پس پشت ڈال دیا اور انہوں نے زمین میں سرکشی اختیار کر لی تھی۔

﴿ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر'' یعنی پھر ہم نے تمہیں اس متغلب کافر قوم پر غلبہ عطا کیا اور تم نے انہیں اپنے شہروں سے نکال باہر کیا ﴿ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴾ ''اور قوت دی ہم نے تم کو مالوں سے اور بیٹوں سے'' یعنی ہم نے نہایت کثرت سے تمہیں رزق عطا کیا' تمہاری تعداد کو زیادہ کر دیا اور تمہیں ان کے مقابلے میں طاقتور بنا دیا۔ ﴿ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴾ ''اور تمہاری نفری کو ان کے مقابلے میں بڑھا دیا'' اور اس کا سبب تمہارے نیک کام اور اللہ کے سامنے تمہارا خشوع و خضوع تھا۔

﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ﴾ ''اگر بھلائی کی تم نے تو بھلائی کی اپنے لئے'' یعنی تمہاری نیکی کا فائدہ تمہاری ہی طرف لوٹے گا حتیٰ کہ دنیا میں بھی تمہیں ہی فائدہ ہوگا' جیسا کہ تم نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں تم فتح یاب ہوئے۔ ﴿ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ ''اور اگر برائی کی تو اپنے لئے'' یعنی اگر تم برائی کا ارتکاب کرتے ہو تو اس کا نقصان بھی خود تمہاری طرف لوٹے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بداعمالیوں کی پاداش میں تمہارے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا تھا۔ ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''پس جب دوسرے وعدے کا وقت آیا'' جس میں ذکر تھا کہ تم زمین میں فساد برپا کرو گے' ہم نے تم پر دشمنوں کو مسلط کر دیا ﴿ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ ''تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں۔'' یعنی وہ فتح یاب ہو کر تمہیں غلام بنائیں اور چہروں کو بگاڑ دیں۔ ﴿ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے وہ پہلی بار'' یہاں مسجد سے مراد بیت المقدس ہے ﴿ وَّلِيُتَبِّرُوْا ﴾ ''اور خراب کر دیں'' یعنی اجاڑ کر پیوند زمین کر دیں ﴿ مَا عَلَوْا ﴾ ''جس جگہ پر وہ غالب

آ جائیں۔ ''﴿تَتْبِيْرًا﴾'' ''پوری طرح خراب کرنا'' پس وہ تمہارے گھروں' تمہاری عبادت گاہوں اور تمہارے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ ''بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے'' یعنی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر فتح و نصرت عطا کرے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے انہیں دوبارہ حکومت عطا کی اور انہیں نافرمانیوں پر وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ﴾ ''اور اگر تم پھر وہی کرو گے'' یعنی اگر تم زمین میں فساد برپا کرنے کا اعادہ کرو گے ﴿عُدْنَا﴾ ''تو ہم پھر وہی کریں گے'' ہم بھی تمہیں دوبارہ سزا دیں گے۔ پس انہوں نے زمین میں دوبارہ فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو مسلط کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سے ان سے انتقام لیا۔ یہ تو ہے دنیا کی سزا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو آخرت کی سزا ہے وہ اس سے زیادہ بڑی اور رسوا کن ہے' اس لئے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ ''اور کیا ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ'' جس میں وہ جھونکے جائیں گے' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ ان آیات کریمہ میں اس امت کے لئے تحذیر و تخویف ہے کہ وہ معاصی سے بچیں ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی سزا دی جائے جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ سنت الٰہی ایک ہی ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آتا۔ جو کوئی اس بارے میں غور و فکر کرے کہ کس طرح کفار مسلمانوں پر مسلط ہوئے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان کے گناہوں کی سزا ہے۔ کیونکہ (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ) جب مسلمان قرآن اور سنت کو نافذ کریں گے تو وہ انہیں زمین کا اقتدار عطا کرے گا اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

بیشک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے اس (راہ) کی جو سب (راہوں) سے زیادہ سیدھی ہے، اور خوشخبری دیتا ہے مومنوں کو، وہ لوگ جو

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

عمل کرتے ہیں نیک، کہ بے شک ان کے لیے ہے اجر بہت بڑا ○ اور (یہ کہ) بلاشبہ وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

ساتھ آخرت کے، تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب بہت دردناک ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم کے شرف اور اس کی جلالت شان کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے اور یہ کہ وہ ﴿يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ''بتلاتا ہے وہ راستہ جو سب سے زیادہ سیدھا ہے'' یعنی عقائد' اعمال اور اخلاق کے بارے میں زیادہ معتدل اور بلند موقف کا حامل ہے' لہٰذا جو کوئی ان امور سے راہنمائی حاصل کرتا ہے جن کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے تو وہ تمام امور میں تمام لوگوں سے زیادہ کامل' سب سے زیادہ درست اور سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو

اچھے عمل کرتے ہیں''یعنی واجبات وسنن ادا کرتے ہیں ﴿ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴾ ''کہ ان کے لئے ہے بڑا ثواب'' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت والے گھر میں تیار کر رکھا ہے جس کے وصف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ''اور یہ کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے' ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔'' قرآن کریم تبشیر وانذار پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اسباب ذکر فرما دیئے ہیں جن کی بنا پر بشارت ملتی ہے اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح اور ان اسباب کا بھی ذکر فرمایا ہے جو انذار کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور وہ ہیں ایمان اور عمل صالح کے متضاد امور۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اور دعاء مانگتا ہے انسان برائی کی مانند دعا مانگنے اس کے بھلائی کی، اور ہے انسان نہایت جلد باز ○

یہ انسان کی جہالت اور عجلت پسندی ہے کہ وہ غیظ وغضب کے وقت اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بددعا کرنے میں جلدی کرتا ہے جس طرح اچھی دعا کرنے میں جلدی کرتا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے کہ وہ اس کی اچھی دعا کو تو قبول کر لیتا ہے اور بددعا کو قبول نہیں کرتا۔ ﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ﴾ (یونس: ۱۰/۱۱) ''اگر اللہ ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے میں اتنی ہی جلدی کرتا جیسے کہ وہ جلدی خیر مانگتے ہیں تو ان کی مدت مقررہ کے خاتمے کا فیصلہ کر دیا جاتا۔''

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ

اور بنایا ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں، پھر مٹا دی ہم نے نشانی رات کی، اور بنا دی ہم نے نشانی دن کی

مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ

دکھلانے والی (ہر چیز کو) تاکہ تم تلاش کرو فضل (رزق) اپنے رب کا، اور تاکہ تم جان لو گنتی سالوں کی اور حساب،

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

اور ہر چیز، خوب بیان کیا ہے ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ ○

﴿ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ ﴾ ''اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا۔'' یعنی یہ دن رات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بے پایاں رحمت پر دلالت کرتے ہیں' نیز یہ کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ ﴿ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ ﴾ ''پھر مٹا دیا ہم نے رات کی نشانی کو'' یعنی ہم نے رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں سکون اور راحت حاصل کریں ﴿ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً ﴾ ''اور بنایا دن کی نشانی کو دکھلانے والی'' یعنی روشن ﴿ لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو'' اپنی معاش' اپنی صنعت وحرفت' اپنی تجارت اور اپنے سفر میں اللہ کا فضل تلاش کرو۔ ﴿ لِتَعْلَمُوْا ﴾ ''اور تاکہ تم جان لو'' رات اور دن کے پے در پے آنے جانے اور

چاند کے گھٹنے بڑھنے سے ﴿عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ ''برسوں کا شمار اور حساب'' پس تم جیسے چاہتے ہو دنوں کے اس حساب وکتاب پر اپنے مصالح کی بنیاد رکھتے ہو۔ ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا﴾ ''اور ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے'' یعنی ہم نے آیات کو واضح کر کے ان کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تا کہ چیزیں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور باطل میں سے حق نمایاں اور واضح ہو جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ٦/٣٨) ''ہم نے نوشتۂ تقدیر میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔''

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا

اور ہر انسان، لازم کر دیا ہم نے اس کیلئے عمل اس کا اسکی گردن میں، اور ہم نکالیں گے اس کے لیے دن قیامت کے ایک کتاب،

يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ⑭ ۭ

وہ دیکھے گا اسے کھلی ہوئی ○ (اسے کہا جائے گا) پڑھ لے اپنا اعمال نامہ، کافی ہے تیرا نفس ہی آج، تجھ پر حساب لینے والا ○

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عدل کامل کے بارے میں خبر ہے' نیز یہ کہ ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا ہوا ہے' یعنی بندہ جو اچھا یا برا کام سر انجام دیتا ہے وہ اسی کے ساتھ لازم ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتا اور کسی دوسرے کے عمل کا حساب اس سے لیا جائے گا نہ اس کا حساب کسی اور سے لیا جائے گا۔ ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ ''اور نکال دکھائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن ایک کتاب' وہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی'' اس کتاب میں اس کے تمام اچھے اور برے' چھوٹے اور بڑے تمام اعمال موجود ہوں گے اس سے کہا جائے گا: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ ''پڑھ لے اپنی کتاب' تو ہی کافی ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا'' یہ سب سے بڑا عدل وانصاف ہے کہ بندے سے کہا جائے کہ وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ذمہ کون کون سے حقوق ہیں جو سزا کے موجب ہیں۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ

جس شخص نے ہدایت پائی تو یقیناً وہ ہدایت پاتا ہے اپنے نفس ہی کے (فائدے کے) لئے' اور جو کوئی گمراہ ہوا تو یقیناً وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے نفس ہی پر،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

اور نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا، بوجھ کسی دوسرے کا، اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے، جب تک کہ (نہ) بھیجیں ہم کوئی رسول ○

یعنی ہر نفس کی ہدایت اور گمراہی خود اس کے لئے ہے کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ ذرہ بھر تکلیف اس سے دور ہٹا سکے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سب سے بڑا عادل ہے وہ اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ اس پر رسالت کی حجت قائم نہ ہو جائے اور یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے اس حجت کے ساتھ عناد کا مظاہرہ کیا۔ رہا وہ شخص جس نے رسالت کی اس حجت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا' یا اس کے پاس حجت پہنچی ہی نہیں'

تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عذاب نہیں دے گا۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل فترات (یعنی اس زمانے یا علاقے کے لوگ جن تک نبوت نہیں پہنچی) اور مشرکین کے بچوں کو عذاب نہیں دے گا جب تک کہ ان کی طرف رسول نہ بھیج لے کیونکہ وہ ظلم سے پاک اور منزہ ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ

اور جب چاہتے ہیں ہم یہ کہ ہلاک کریں کسی بستی کو تو حکم دیتے ہیں ہم اسکے خوشحال لوگوں کو تو وہ نافرمانی کرتے ہیں اس میں، پھر ثابت ہو جاتی ہے

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ⑯ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ

اس (بستی) پر بات (عذاب کی)، پس تباہ کر دیتے ہیں ہم اسے (مکمل) برباد کرنا ○ اور کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے قومیں

مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰

بعد نوح کے، اور کافی ہے آپ کا رب، اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جب کبھی وہ کسی ظالم بستی کو ہلاک کرنا اور عذاب کے ذریعے سے اس کا استیصال کرنا چاہتا ہے تو وہ اس میں رہنے والے خوشحال لوگوں کو حکم دیتا ہے...... یعنی کونی وقدری حکم...... وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں اور ان کی سرکشی بڑھ جاتی ہے۔ ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ ”تب ثابت ہو جاتی ہے ان پر بات“ یعنی کلمۂ عذاب، جسے کوئی نہیں ٹال سکتا ﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ ”پس اس بستی کو ہم ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بہت سی قوموں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا، مثلاً عاد، ثمود اور قوم لوط وغیرہ۔ یہ وہ قومیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سزا دی کیونکہ جب ان کی بغاوت بہت زیادہ ہو گئی اور ان کا کفر بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا بڑا عذاب نازل کر دیا۔ ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴾ ”اور کافی ہے آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔“ پس بندوں کو اس کی طرف سے کسی ظلم کا خوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صرف ان کے اپنے اعمال کی سزا دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

جو چاہتا ہے جلدی والی (دنیا) تو جلدی دے دیتے ہیں ہم اسکو، اس (دنیا) میں جو ہم چاہتے ہیں، جس کیلئے ہم چاہتے ہیں، پھر ٹھہرا دیتے ہیں ہم

لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا

اس کیلئے جہنم، وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ، دھتکارا ہوا ○ اور جو کوئی چاہتا ہے آخرت، اور کوشش کرتا ہے اس کے لئے،

سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

اسکے لائق کوشش، جبکہ وہ مومن بھی ہے، تو یہی لوگ ہیں کہ ہے کوشش ان کی قابل قدر ○ ہر ایک کو، ہم نوازتے ہیں، ان کو بھی

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا

اور انکو بھی عطیے سے آپکے رب کے، اور نہیں ہے عطیہ آپکے رب کا روکا ہوا (کسی سے بھی) ○ دیکھیے! کس طرح فضیلت دی ہے ہم نے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ㉑

ان کے بعض کو اوپر بعض کے؟ اور البتہ آخرت تو بڑھ کر ہے درجوں میں، اور بڑھ کر ہے باعتبار فضیلت کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ ''جو شخص دنیا کا خواہش مند ہو۔'' یعنی جو کوئی ختم اور زائل ہو جانے والی دنیا چاہتا ہے وہ اس کے لئے عمل اور کوشش کرتا ہے' اس کی ابتدا یا انتہا کو فراموش کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی سے دنیا کے وہ ٹکڑے اور اس کا مال ومتاع اسے عطا کر دیتا ہے' جسے وہ چاہتا تھا اور اس کا ارادہ رکھتا تھا' جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا۔ مگر یہ متاع دنیا فائدہ دینے والی ہے نہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ پھر آخرت میں اس کے لئے ﴿جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا﴾ ''جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوگا'' یعنی اس کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔ ﴿مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ ''مذموم اور راندہ ہو کر۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی طرف سے مذمت' رسوائی اور فضیحت کی حالت میں ہوگا' وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت دور ہوگا' اس کے لئے رسوائی اور عذاب کو جمع کر دیا جائے گا۔ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ ''جو آخرت چاہتا ہے'' اس پر راضی ہے اور اسے دنیا کے مال ومتاع پر ترجیح دیتا ہے ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ ''اور اس کے لیے اتنی کوشش کرتا ہے جتنی اسے لائق ہے۔'' یعنی جس کی طرف تمام کتب سماوی اور آثار نبوت نے دعوت دی ہے اور امکان بھر اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''اور وہ مومن بھی ہے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ ''پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہے۔'' جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نشوونما پا کر جمع ہوتی رہے گی۔ ان کا اجر وثواب ان کے رب کے پاس ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا کے حصے سے بھی محروم نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سامان زیست عطا کرتا ہے کیونکہ یہ اس کی عطا اور اس کا فضل واحسان ہے ﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ ''اور تیرے رب کی عطاء وبخشش رکی ہوئی نہیں۔'' یعنی اللہ کی عطا کسی کے لئے ممنوع نہیں بلکہ تمام مخلوق اس کے فضل و کرم سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''دیکھو' کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی'' یعنی کیسے ہم نے ان کو دنیا میں رزق کی کشادگی اور کمی' آسانی اور تنگی' علم اور جہالت' عقل اور سفاہت وغیرہ امور میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ ''اور آخرت کے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت'' دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کو آخرت سے کسی لحاظ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ کتنے ہی لوگ بلند وبالا محلوں' مختلف انواع کی لذتوں' فرحتوں' خوبصورت چیزوں سے حظ اٹھاتے ہوں گے اور دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جن کو جہنم میں جھونک دیا گیا ہوگا' وہاں وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے اور رب رحیم کی سخت ناراضی ان پر نازل ہوگی اور دنیا وآخرت کے لوگوں میں اس قدر تفاوت ہے کہ کسی

کے لئے اس کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۴/۲

نہ ٹھہرائیں آپ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا، پھر بیٹھ رہیں گے آپ ملامت زدہ، بے یارو مددگار ○

یعنی' یہ اعتقاد نہ رکھ کہ مخلوق میں سے کوئی ہستی کسی قسم کی عبادت کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا کیونکہ شرک مذمت اور خذلان کو دعوت دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں نے شرک سے روکا ہے اور مشرک کی سخت مذمت کی ہے اور اسے اس شرک کی بنا پر انتہائی مذموم ناموں سے موسوم اور قبیح اوصاف سے موصوف کیا ہے۔ جو اس شرک کا مرتکب ہے' وہ بدترین اوصاف اور قبیح ترین صفات سے متصف ہے۔ وہ جتنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو ترک کرتا ہے' اس کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے دینی اور دنیاوی معاملات میں اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پس جو کوئی اس کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اسی کے سپرد کر دیتا ہے جس کے ساتھ وہ تعلق جوڑتا ہے اور مخلوق میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور ہستی کو معبود بنالیتا ہے وہ مذمت وخذلان کا مستحق ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو ایک گردانتا ہے' اس کے لئے اپنے دین کو خالص کرتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑتا ہے وہ قابل ستائش ہے اور اس کے تمام احوال میں اس کی دست گیری کی جاتی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

اور فیصلہ کر دیا آپ کے رب نے یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اسی کی اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اگر پہنچے تیرے سامنے بڑھاپے کو

اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

ایک ان دونوں میں سے یا (وہ) دونوں ہی تو نہ کہہ تو ان سے "اف" بھی، اور نہ جھڑک تو انہیں، اور کہہ تو ان دونوں کیلئے بات نرم لہجے میں ○

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾

اور جھکائے رکھ تو ان دونوں کیلئے بازو عاجزی کا، نیاز مندی سے، اور کہہ اے رب! رحم فرما ان دونوں پر جیسا کہ پرورش کی انہوں نے میری بچپن میں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرک سے منع کرنے کے بعد توحید کا حکم دیا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ "آپ کے رب نے (دینی) فیصلہ کر دیا" اور شرعی حکم دے دیا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْۤا﴾ "کہ تم عبادت نہ کرو" یعنی زمین اور آسمان کے رہنے والوں' زندوں یا مردوں میں سے کسی کی عبادت نہ کرو۔ ﴿اِلَّاۤ اِيَّاهُ﴾ "مگر صرف اس کی" کیونکہ وہ واحد اور یکتا' فرد اور بے نیاز ہے۔ جو ہر صفت کمال کا مالک ہے۔ اس کی ہر صفت کامل ترین ہے اور مخلوق میں کوئی ہستی اس کی کسی صفت میں کسی بھی پہلو سے مشابہت نہیں کر سکتی وہ منعم ہے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے وہی

نوازتا ہے وہی تمام تکالیف کو دور کرتا ہے' وہ خالق رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ ان تمام اوصاف میں منفرد اور یکتا ہے اس کے سوا کوئی دوسری ہستی اوصاف میں سے کسی چیز کی بھی مالک نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حقوق کو قائم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔'' یعنی قول و فعل' ہر لحاظ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کیونکہ والدین ہی بندے کے وجود میں آنے کا سبب ہیں' وہ اولاد کے لئے محبت رکھتے ہیں' اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں اور اولاد کو قریب رکھتے ہیں، یہ امور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حق کی تاکید اور ان کے ساتھ بھلائی کے وجوب کا تقاضا کرتے ہیں۔

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا﴾ ''اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں'' یعنی جب وہ اس عمر کو پہنچ جائیں جس میں ان کے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ نرمی اور حسن سلوک کے معروف طریقے سے محتاج ہوتے ہیں۔ ﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ ''تو تو ان کو ہوں بھی نہ کہہ'' یہ اذیت کا ادنیٰ مرتبہ ہے اس کے ذریعے سے اذیت کی دیگر انواع پر تنبیہ کی ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ ان کو ادنیٰ اذیت بھی نہ پہنچاؤ۔ ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ ''اور نہ ان کو جھڑکو'' اور نہ ان سے سخت کلامی کرو۔ ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ ''اور کہہ ان سے بات ادب کی'' ان کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرو جن کو وہ پسند کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ نہایت ادب اور مہربانی سے پیش آؤ۔ انتہائی نرمی اور اچھے پیرائے میں بات کرو جس سے ان کے دل لذت محسوس کریں اور ان کو اطمینان حاصل ہو۔ یہ حسن سلوک احوال وعادات اور زمانے کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتا ہے ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ''اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کے' نیازمندی سے'' یعنی ان کے سامنے تواضع' انکساری اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے جھک کر رہو۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید پر ہو نہ کہ ان سے ڈر کی بنا پر یا ان کے مال وغیرہ کے لالچ کی وجہ سے یا اس قسم کے دیگر مقاصد کی بنا پر جن پر بندے کو اجر نہیں ملتا۔ ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا﴾ ''اور کہہ' اے رب ان پر رحم فرما'' یعنی ان کی زندگی میں اور ان کے وفات پا جانے کے بعد ان کے لئے رحمت کی دعا کرو۔ انہوں نے بچپن میں تمہاری جو تربیت کی ہے یہ اس کا بدلہ ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تربیت جتنی زیادہ ہوگی والدین کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہو جائے گا۔ اسی طرح والدین کے سوا کوئی شخص دینی اور دنیاوی امور میں کسی کی نیک تربیت کرتا ہے تو تربیت کرنے والے شخص کا اس شخص پر حق ہے جس کی اس نے تربیت کی ہے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِنْ تَكُونُوا صٰلِحِينَ فَإِنَّهُ

تمہارا رب خوب جانتا ہے اسے جو تمہارے دلوں میں ہے، اگر ہو گے تم صالح، تو بلاشبہ وہ

كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

ہے (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے، بہت بخشنے والا ○

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اچھے اور برے چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارے اعمال اور ابدان کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور ان کے اندر چھپے ہوئے خیر و شر پر نظر رکھتا ہے۔ ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ﴾ ”اگر تم نیک ہوگے“ یعنی اگر تمہارے ارادے اور مقاصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے دائرے میں اور تمہاری رغبت صرف انہی امور پر مرتکز رہے جو اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہیں اور تمہارے دلوں میں غیر اللہ کے ارادے براجمان نہ ہوں۔ ﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ﴾ ”تو وہ رجوع کرنے والوں کو۔“ یعنی وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے ﴿غَفُوْرًا﴾ ”بخشنے والا ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ جس کے دل میں جھانکتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اس دل میں، اللہ تعالیٰ کی طرف انابت، اس کی محبت اور ان امور کی محبت جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں کے سوا کچھ بھی نہیں، تب اگر اس بندے سے طبائع بشری کے تقاضے کے مطابق کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان عارضی گناہوں کو بخش دیتا ہے، جو مستقل طور پر جڑ نہیں پکڑتے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ

اور دے تو قرابت دار کو اس کا حق، اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور نہ فضول خرچی کر فضول خرچی کرنا ○ یقیناً

الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ

فضول خرچی کرنے والے ہیں بھائی شیطانوں کے، اور ہے شیطان اپنے رب کا نہایت ناشکرا ○ اور اگر اعراض کرے تو

عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ

ان سے، انتظار میں رحمت کے اپنے رب کی کہ امید رکھتا ہے تو اس کی، تو کہہ تو واسطے ان کے بات آسان نرم ○ اور نہ کر تو

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ، اور نہ کھول دے اسے بالکل کھول دینا، کہ بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا، تھکا ماندہ ○

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع

۳ ع ۳

بیشک آپکا رب ہی فراخ کرتا ہے رزق جس کیلئے وہ چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے، بلاشبہ وہ ہے اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، (انکو) دیکھنے والا ○

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ ”اور دے رشتے دار کو اس کا حق“ یعنی رشتہ دار کو واجب و مسنون حسن سلوک اور اکرام و تکریم میں سے اس کا حق ادا کرو اور یہ حق احوال، زمان و مکان، ضرورت اور عدم ضرورت اور اقارب میں تفاوت کے مطابق متفاوت ہوتا ہے۔ ﴿وَالْمِسْكِيْنَ﴾ ”اور مسکین کو“ یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں سے مسکین کو اس کا حق ادا کرو تاکہ اس کی مسکینی دور ہو جائے۔ ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ ”اور مسافر کو“ اس سے مراد وہ غریب الوطن شخص ہے

جو اپنے شہر سے دور پھنس کر رہ گیا ہو۔ ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾ ’’اور بے جا مت اڑا‘‘ پس مال اس طریقے سے عطا کیا جائے کہ عطا کرنے والے کو نقصان پہنچے نہ اس مقدار سے زائد ہو جو دی جانی چاہیے ورنہ یہ اسراف و تبذیر کے زمرے میں آئے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ ’’بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں‘‘ کیونکہ شیطان ہمیشہ ہر قسم کی مذموم خصلت ہی کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ انسان کو بخل اور مال روک رکھنے کی طرف دعوت دیتا ہے اگر انسان اس کی بات نہ مانے تو وہ اسے اسراف اور تبذیر کی راہ پر لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ معتدل اور مبنی برعدل رویے کا حکم دیتا ہے اور اس کی مدح کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ (الفرقان: ٦٧/٢٥) ’’رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾ ’’اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ‘‘ یہ بخل اور خرچ نہ کرنے کے لئے کنایہ ہے۔ ﴿ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ ’’اور نہ کھول اسے بالکل کھول دینا‘‘ ایسا نہ ہو کہ تم ان معاملات میں خرچ کرنے لگو جہاں خرچ کرنا مناسب نہیں یا جتنا خرچ کرنا ہو اس سے زیادہ خرچ کرنے لگو۔ ﴿ فَتَقْعُدَ ﴾ ’’پس تو بیٹھ رہے گا‘‘ اگر تو نے یہ کام کیا ﴿ مَلُوْمًا ﴾ ’’الزام کھایا ہوا‘‘ یعنی اپنے کئے پر ملامت زدہ ہو کر ﴿ مَّحْسُوْرًا ﴾ ’’ہارا ہوا‘‘ یعنی تم خالی ہاتھ ہو کر رہ جاؤ گے، تمہارے ہاتھ میں مال باقی بچے گا نہ اس کے پیچھے مدح و ثناء...... اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا یہ حکم صرف قدرت اور غنا کی صورت میں ہے۔ رہی تنگدستی اور اخراجات میں عدم گنجائش، تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کو نہایت اچھے طریقے سے جواب دیا جائے، پس فرمایا: ﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا ﴾ ’’اگر تو اعراض کرے ان سے اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں جس کی تجھ کو امید ہے‘‘ یعنی اگر تم ان کو عطا نہیں کرتے اور تم اس کو کسی ایسے وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہو جب اللہ تمہیں خوشحالی عطا کرے۔ ﴿ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴾ ’’تو کہہ ان کو نرم بات‘‘ یعنی ان سے نرم لہجے میں بات کرو اور اچھا وعدہ کہ جب بھی گنجائش ہوئی تو ان کو عطا کیا جائے گا اور اس وقت عطا کرنا ممکن نہ ہونے پر ان سے معذرت کرے تاکہ جب وہ تمہارے پاس سے واپس جائیں تو ان کے دل مطمئن ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ﴾ (البقرة: ٢٦٣/٢) ’’صدقہ دینے کے بعد ایذا پہنچانے سے تو یہ بہتر ہے کہ نرم بات کہہ دی جائے اور کسی ناگوار بات پر چشم پوشی کی جائے۔‘‘ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کو رحمت اور رزق کا انتظار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ انتظار عبادت ہے۔ اسی طرح ضرورت مندوں کے ساتھ گنجائش اور فراخدستی کے وقت عطا کرنے کا وعدہ کرنا بھی عبادت ہے کیونکہ نیک کام کا ارادہ بھی نیکی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ مقدور بھر نیکی کرتا رہے

اور جس نیک کام پر اسے قدرت نہیں اسے کرنے کی نیت رکھے تاکہ اسے ثواب ملتا رہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی امید کے سبب سے اس کے لئے آسانی پیدا کر دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾ ”بے شک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے“ ﴿ وَيَقْدِرُ ﴾ اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ ﴿ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴾ ”وہ اپنے بندوں کو خوب جاننے والا دیکھنے والا ہے۔“ پس جو اس کے علم کے مطابق ان کے لئے درست ہے‘ اس پر انہیں جزا دے گا اور اپنے لطف و کرم سے ان کی تدبیر کرے گا۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ

اور مت قتل کرو تم اپنی اولاد کو ڈرتے ہوئے مفلسی سے، ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں اور تمہیں بھی،

إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا ﴿٣١﴾

بلاشبہ انکو قتل کرنا ہے گناہ بہت بڑا ○

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر بے پایاں رحمت ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے والدین کو بھوک اور فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا اور سب کی کفالت کا ذمہ لیا ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ اولاد کو قتل کرنا‘ بہت بڑی خطا اور کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کا سبب دل کا شفقت سے خالی ہونا اور بچوں کے قتل کی جسارت ہے جن سے کوئی گناہ اور معصیت سرزد نہیں ہوئی۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾

اور مت قریب جاؤ تم زنا کے، یقیناً وہ ہے بے حیائی اور برا راستہ ○

زنا کے قریب جانے کی ممانعت‘ زنا کے مجرد فعل کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے‘ اس لیے زنا کے قریب جانے کی ممانعت‘ زنا کے تمام مقدمات اور اس کے اسباب کو شامل ہے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے آس پاس پھرتا ہے تو ہو سکتا ہے وہ چراگاہ میں جا داخل ہو۔ خاص طور پر جب کہ بات یہ ہے کہ اکثر نفوس کے اندر زنا کا قوی ترین داعیہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زنا کی برائیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَانَ فَاحِشَةً ﴾ ”وہ بے حیائی“ یعنی زنا عقل‘ شریعت اور فطرت انسانی کے نزدیک بہت بڑی برائی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ‘ عورت‘ اس کے گھر والوں اور اس کے شوہر کے حق میں ہتک حرمت‘ شوہر کے بستر کو خراب کرنے اور انساب وغیرہ کے اختلاط اور دیگر مفاسد کو متضمن ہے۔ ﴿ وَسَآءَ سَبِيلًا ﴾ ”اور بری راہ ہے۔“ یعنی جو کوئی اس گناہ عظیم کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے

اس کا یہ راستہ بہت ہی برا راستہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ

اور مت قتل کرو تم اس جان کو وہ جسے حرام کیا ہے اللہ نے، مگر ساتھ حق کے اور جو کوئی قتل کیا جائے مظلوم تو تحقیق

جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

کر دیا ہے ہم نے اس کے وارث کے لیے غلبہ، پس نہ زیادتی کرے وہ قتل میں، بے شک وہ (وارث) ہے مدد دیا ہوا○

اس آیت کریمہ کا حکم ہر اس جان کو شامل ہے جس کے قتل کو ﴿حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے'' وہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور مسلم ہو یا کافر معاہد ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''سوائے اس (قتل) کے جو برحق ہو'' مثلاً مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کرنا، شادی شدہ زانی کو قتل کرنا، مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والے مرتد کو قتل کرنا اور باغی کو بغاوت کی حالت میں قتل کرنا جبکہ اس کو قتل کیے بغیر بغاوت پر قابو نہ پایا جا سکتا ہو۔ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا﴾ ''اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے۔'' یعنی جسے ناحق قتل کیا گیا ہو ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ﴾ ''تو کہ ہم نے اس کے ولی کے لئے'' یہاں ''ولی'' سے مراد وہ شخص ہے جو مقتول کے ورثاء اور عصبہ میں سے اس کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ ﴿سُلْطٰنًا﴾ ''دلیل'' یعنی ہم نے مقتول کے ولی کے لئے قاتل سے قصاص لینے کی ظاہری دلیل فراہم کر دی، نیز اسے قدری طور پر بھی قاتل پر اختیار عطا کر دیا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب قصاص کی موجب تمام شرائط یکجا ہوں، مثلاً ارادہ اور تعدی کے ساتھ قتل کرنا اور مقتول اور قاتل میں برابری وغیرہ۔ ﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ﴾ ''پس وہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔'' یعنی ولی قاتل کے قتل میں اسراف سے کام نہ لے۔ یہاں ''اسراف'' سے مراد یہ ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کو قتل کرنے میں حد سے تجاوز کرے۔ (اس اسراف کی تین صورتیں ہیں۔)

(۱) ولی قاتل کا مثلہ کرے۔ (یعنی اسے ایذا دے دے کر مارے، ناک کاٹے، کان کاٹے، وغیرہ وغیرہ۔)

(۲) ولی قاتل کو کسی ایسی چیز کے ذریعے سے قتل کرے جس کے ذریعے سے مقتول کو قتل نہ کیا گیا ہو۔

(۳) قاتل کو چھوڑ کر کسی اور کو قتل کر دیا جائے۔

اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ صرف ولی کو قصاص لینے کا حق ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اگر ولی قاتل کو معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے، نیز اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قاتل اور اس کے مددگاروں کے مقابلے میں مقتول کے ولی کی مدد کرتا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ ص

اور مت قریب جاؤ تم مال یتیم کے، مگر ساتھ اس طریقے کے کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، یہاں تک کہ پہنچ جائے یتیم اپنی جوانی کو،

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور پورا کرو تم عہد کو، بلاشبہ عہد، ہوگی باز پرس (اس کی بابت)○

یہ اللہ تعالیٰ کا اس یتیم پر اپنی رحمت اور لطف کرم کا اظہار ہے۔ جس کا باپ اس کی چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے اور وہ ابھی اپنے مفادات کی معرفت رکھتا ہو نہ ان کا انتظام کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے سرپرستوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یتیم اور اس کے مال کی حفاظت کریں اور اس کے مال کی اصلاح کریں اور یہ کہ اس کے قریب بھی نہ جائیں ﴿اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ ”مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو“ یعنی تم اس کے مال کو تجارت میں لگاؤ، اس کو اتلاف کے خطرے میں نہ ڈالو اور اس میں اضافے اور نشوونما کی خواہش رکھو اور یہ صورت حال اس وقت تک رہے یہاں تک کہ ﴿یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ ”وہ (یتیم) جوانی کو پہنچ جائے۔“ یعنی بلوغت اور عقل و رشد کی عمر کو پہنچ جائے۔ پس جب وہ بالغ و عاقل ہو جائے تو اس سے سرپرستی زائل ہو جائے گی اور وہ اپنے معاملات کا خود سرپرست بن جائے گا اور اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء: ۶/۴) ”پس اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔“

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ ”اور عہد کو پورا کرو“ جو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھا ہے، نیز اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مخلوق کے ساتھ کیا ہے۔ ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ ”عہد کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔“ یعنی ایفائے عہد کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا اگر تم نے عہد پورا کیا تو تمہارے لئے بہت بڑا ثواب ہے اور اگر تم نے عہد کو پورا نہ کیا تو تم پر بہت بڑا گناہ ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ

اور پورا کرو تم ماپ کو جب ماپو تم، اور تولو تم ساتھ ترازو سیدھی کے، یہ بہت ہی بہتر ہے

وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾

اور بہت اچھا ہے باعتبار انجام کے○

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عدل اور ناپ تول کو بغیر کسی کمی کے انصاف کے ساتھ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کے عمومی معنی سے دھوکہ دہی، اندازے سے قیمت لگانے، کسی چیز کی قیمت طے ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص کی طرف سے قیمت لگانے کی ممانعت اور معاملات میں خیر خواہی اور صداقت مستنبط ہوتی ہے۔

﴿ذٰلِكَ خَیْرٌ﴾ ”یہ بہتر ہے“ اس کے نہ ہونے سے ﴿وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ ”اور اس کا انجام اچھا ہے“ یعنی یہ عدل انجام کے اعتبار سے بہتر ہے، بندہ تاوان اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور عدل و انصاف اور ناپ تول پورا کرنے سے برکت نازل ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

اور نہ پیچھا کریں آپ اس چیز کا کہ نہیں ہے آپ کو اس چیز کا کوئی علم، بلاشبہ کان اور آنکھ اور دل،

کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾

ہر ایک (کی بابت) ان میں سے، ہوگی اس سے باز پرس ○

یعنی اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں بلکہ تم جو کچھ کہتے یا کرتے ہو اس کے بارے میں پوری تحقیق کر لیا کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ تمہارا قول و فعل یوں ہی ختم ہو جائے گا، تمہیں اس کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوگا۔ ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ ”بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی“ پس جو بندہ یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کے قول و فعل کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس بارے میں اسے جواب دہی کرنی ہوگی کہ اس نے اپنے ان اعضاء کو کہاں کہاں استعمال کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے..... اس پر لازم ہے کہ وہ اس سوال کا جواب تیار کر لے۔ ان امور کا جواب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس نے ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں استعمال نہ کیا ہو، دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ کیا ہو اور ان باتوں سے باز نہ رہا ہو جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور مت چل تو زمین میں اتراتے ہوئے، بلاشبہ تو ہرگز نہیں پھاڑ سکے گا زمین کو اور ہرگز نہیں پہنچ سکے گا تو پہاڑوں کو

طُوْلًا ﴿۳۷﴾ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی

لمبائی میں ○ تمام یہ (مذکورہ کام) ہے برائی ان کی نزدیک آپ کے رب کے ناپسند ○ یہ اس میں سے ہے جو وحی کی ہے

اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی

آپ کی طرف آپ کے رب نے حکمت سے، اور نہ ٹھہراؤ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا، پس ڈال دیئے جاؤ گے

فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

جہنم میں ملامت زدہ، دھتکارے ہوئے ○

﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ ”اور زمین میں اتراتا ہوا مت چل“ یعنی تکبر، غرور، اتراہٹ، حق کے سامنے استکبار اور تکبر کے ساتھ مخلوق سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے زمین پر مت چلو۔ ﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ ”بے شک تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں کو لمبا ہو کر“ بلکہ اس کے برعکس تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت حقیر ہوگا اور مخلوق کے نزدیک بہت ذلیل، ناپسندیدہ اور مذموم ہوگا۔ بلاشبہ جن چیزوں کا تو نے قصد کیا ہے ان میں بغیر سوچے سمجھے تو نے بدترین اور رذیل ترین اخلاق کا اکتساب

کیا ہے۔ ﴿ کُلُّ ذٰلِكَ ﴾ مذکورہ تمام امور جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے جن کا ذکر گزشتہ سطور میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ میں گزر چکا ہے' نیز والدین کی نافرمانی وغیرہ۔ ﴿ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ ''اس کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے'' یعنی ان میں سے ہر برائی کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ یہ برائی برا سلوک کرے گی اور ان کو نقصان پہنچائے گی اور اللہ تعالیٰ اس برائی کو ناپسند کرتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ ﴾ ''یہ ہے'' یعنی یہ احکام جلیلہ جن کو ہم نے واضح کر کے بیان کر دیا ہے ﴿ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾ ''ان باتوں میں سے ہیں جو وحی بھیجی آپ کے رب نے آپ کی طرف حکمت کے کاموں سے'' اور حکمت محاسن اعمال' مکارم اخلاق کے حکم اور اخلاق رذیلہ اور اعمال قبیحہ سے ممانعت کا نام ہے اور یہ اعمال جو ان آیات کریمہ میں مذکور ہیں' حکمت عالیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کو رب کائنات نے' افضل ترین کتاب' قرآن کریم میں سید المرسلین ﷺ کی طرف وحی کیا تا کہ آپ بہترین امت کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیں اور جسے یہ حکمت عطا کر دی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی۔ پھر آیت کریمہ کو غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت پر ختم کیا جیسا کہ غیر اللہ کی عبادت کی ممانعت سے اس کی ابتدا کی تھی۔ فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ ﴾ ''اور نہ ٹھہرا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود' پھر پڑے گا تو جہنم میں'' یعنی ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے ﴿ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴾ ''ملامت زدہ دھتکارا ہوا'' یعنی تیرے لئے ملامت اور لعنت ہوگی اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ

کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے ساتھ بیٹوں کے، اور بنا لیا (خود) فرشتوں کو بیٹیاں؟

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝٤٠ ع

بلاشبہ تم البتہ کہتے ہو بات بہت بڑی (خطرناک) ○

یہ اس شخص پر نہایت شدت سے نکیر ہے جس کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بعض ہستیوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیا ہے بنابریں فرمایا: ﴿ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴾ ''کیا تمہارے رب نے تم کو لڑکے دیے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے چن کر تمہارے لئے کامل ترین حصہ مقرر کر دیا اور خود فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنا لیا...... کیونکہ مشرکین کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ﴿ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴾ ''بے شک تم کہتے ہو بھاری بات۔'' تمہارا یہ قول اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی جسارت ہے کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب

کر دی۔ تمہارا قول اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے اور اس کی کچھ مخلوق اس سے بے نیاز ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کے حق میں اولاد کی دونوں قسموں میں سے زیادہ ردی قسم کا فیصلہ کیا یعنی تم نے اس کی طرف بیٹیوں کو منسوب کر دیا' حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں بیٹے عطا کیے۔ پس بہت بلند ہے اللہ تعالیٰ اس بات سے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

اور البتہ تحقیق پھیر پھیر کر بیان کیا ہم نے اس قرآن میں، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، اور نہیں زیادہ کرتا یہ انکو مگر نفرت ہی میں ○ کہہ دیجیے! اگر ہوتے

مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ

اللہ کے ساتھ اور معبود جیسا کہ کہتے ہیں وہ (مشرک) تو اس وقت البتہ تلاش کرتے وہ (معبود) طرف عرش والے (اللہ) کے کوئی راستہ ○ پاک ہے وہ،

وَتَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ

اور برتر ہے ان سے جو وہ (مشرک) کہتے ہیں، برتر بہت زیادہ ○ پاکیزگی بیان کرتے ہیں اسکی ساتوں آسمان اور زمین بھی،

وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

اور جو (مخلوق) ان میں ہے، اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ تسبیح بیان کرتی ہے ساتھ اس کی حمد کے، لیکن نہیں سمجھتے تم

تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

تسبیح ان کی، بلاشبہ وہ ہے نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کے لیے مختلف انواع کے احکام واضح کر کے بیان کیے ہیں اور اپنی دعوت کی حقانیت پر بہت سے دلائل اور براہین بیان کیے ہیں اور انہیں وعظ و نصیحت کی ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں جس سے انہیں فائدہ ہو اور اسے اپنا لائحہ عمل بنائیں اور جس سے نقصان ہو اسے چھوڑ دیں۔ مگر اکثر لوگ باطل سے محبت اور حق کے خلاف بغض رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات سے بدک کر دور بھاگتے ہیں حتیٰ کہ وہ باطل کے لیے تعصب میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے آیات الٰہی کو سنا نہ ان کی کوئی پروا کی۔

جس موضوع پر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ دلائل و براہین بیان کیے' وہ توحید ہے جو تمام اصولوں کی اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی ضد سے روکا ہے اور اس پر بہت سے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے ہیں۔ جو کوئی ان میں سے کسی پر توجہ دیتا ہے تو اس کے قلب میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ ان دلائل میں سے ایک عقلی دلیل یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ﴿قُلْ﴾ یعنی ان مشرکین سے کہہ دیجیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود بنا لیے ہیں ﴿لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ﴾ ''اگر اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں'' یعنی ان کے زعم اور افترا پردازی کے مطابق ﴿اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى

ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا﴾ ’’تو نکالتے صاحب عرش کی طرف کوئی راستہ‘‘ یعنی وہ عبادت، انابت، تقرب اور وسیلے کے ذریعے سے ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راستہ تلاش کرتے۔ پس وہ شخص جو اپنے آپ کو اپنے رب کی عبودیت کا نہایت شدت سے محتاج سمجھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہے؟ کیا یہ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی سفاہت نہیں ہے؟

اس معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد جیسی ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ﴾ (بنی اسرائیل : ۱۷/۵۷) ’’جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اللہ کے ہاں تقرب کے حصول کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہے۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ﴾ (الفرقان: ۲۵/۱۷-۱۸) ’’اور جس روز وہ ان لوگوں کو اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہیں، پھر ان سے پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟ وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے ہمارے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مولا بنائیں۔‘‘

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر غالب آنے کے لئے کوشش کرتے اور کوئی راستہ تلاش کرتے۔ پس یا تو وہ اس پر غالب آجاتے اور جو غالب آجاتا وہی رب اور الٰہ ہوتا لیکن جیسا کہ انہیں علم ہے اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ معبود جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، مقہور و مجبور اور مغلوب ہیں انہیں کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں، ان کا یہ حال ہوتے ہوئے پھر ان کو انہوں نے معبود کیوں بنایا ہے؟ تب اس معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مشابہ ہے۔ ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (المؤمنون : ۲۳/۹۱) ’’اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق لے کر الگ ہو جاتا پھر تمام ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے۔‘‘ فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى﴾ ’’وہ پاک اور بلند ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ مقدس اور منزہ ہے اس کے اوصاف عالیشان ہیں ﴿عَمَّا یَقُوْلُوْنَ﴾ ’’ان سے جو وہ کہتے ہیں‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے اور ان کے اس کا ہمسر بنا لینے سے پاک ہے ﴿عُلُوًّا كَبِیْرًا﴾ ’’بہت بلند۔‘‘ پس وہ عالی قدر اور عظیم الشان ہے اور اس کی کبریائی ظاہر ہے اس کی کبریائی برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہو۔ جو کوئی اس بات کا قائل ہے وہ صاف گمراہ اور بہت بڑا ظالم ہے۔ اس کی عظمت کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات نہایت عاجز اور اس کی کبریائی کے سامنے بہت حقیر ہیں۔ ساتوں آسمان اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے اور

ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان کے اوپر ہے، سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ﴿ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ (الزمر: ٦٧/٣٩) ”قیامت کے روز تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔“

تمام عالم علوی اور عالم سفلی اپنی ذات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور یہ احتیاج کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوتی یہ فقر و احتیاج ہر لحاظ سے، تخلیق، رزق اور تدبیر کی احتیاج ہے نیز یہ اضطراری طور پر بھی فقر و احتیاج ہے کہ ان کا کوئی معبود و محبوب ہو جس کا وہ تقرب حاصل کریں اور ہر حال میں اس کی پناہ لیں۔ بنا بریں فرمایا ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ”اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور نہیں ہے کوئی چیز۔“ یعنی حیوان ناطق، حیوان غیر ناطق، درخت، نباتات، جمادات، زندہ اور مردہ ﴿ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ ”مگر تسبیح بیان کرتی ہے اس کی خوبیوں کے ساتھ“ اپنی زبانِ حال اور زبانِ مقال سے ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ ”لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے“ یعنی تم باقی تمام مخلوقات کی تسبیح نہیں سمجھتے جن کی زبان تمہاری زبان سے مختلف ہے۔ مگر اللہ علام الغیوب ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾ ”بے شک وہ بردبار اور بڑا بخشنے والا ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی فوراً سزا نہیں دیتا جو اس کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے کہ اس کی اس بات سے آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے، انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے، ان سے درگزر کرتا ہے، ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کو اپنے دروازے پر بلاتا ہے تاکہ وہ اس گناہ عظیم سے توبہ کریں اور وہ ان کو ثواب جزیل عطا کرے اور ان کے گناہ بخش دے۔ اگر اس کا حلم اور مغفرت نہ ہوتی تو آسمان زمین پر گر پڑتے اور زمین کی پیٹھ پر ایک جاندار بھی زندہ نہ بچتا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
اور جب پڑھتے ہیں آپ قرآن، تو بنا دیتے ہیں ہم درمیان آپکے اور درمیان ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے ایک پردہ
مَّسْتُوْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ
چھپا ہوا ○ اور بنا دیے ہم نے اوپر انکے دلوں کے پردے (اس سے) کہ وہ سمجھیں اسکو اور انکے کانوں میں ڈاٹ ہیں، اور جب ذکر کرتے ہیں آپ
رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ
اپنے رب کا قرآن میں تنہا اسی کا تو پھر جاتے ہیں وہ اوپر اپنی پیٹھوں کے نفرت سے ○ ہم خوب جانتے ہیں اس (نیت) کو کہ سنتے ہیں وہ (قرآن کو)
بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا
ساتھ اسکے، جب کان لگاتے ہیں وہ آپکی طرف، اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی) جب کہتے ہیں ظالم لوگ، کہ نہیں پیروی کرتے تم مگر

رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (۴۷) اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (۴۸)

آدمی سحرزدہ کی ○ دیکھیے! کس طرح بیان کرتے ہیں وہ آپ کے لیے مثالیں؟ پس گمراہ ہوگئے وہ، سونہیں پا سکتے وہ راستہ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ حق کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے' جنہوں نے حق کو ٹھکرایا اور اس سے روگردانی کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں'' جس کے اندر وعظ وتذکیر' ہدایت وایمان' بھلائی اور علم کثیر ہے۔ ﴿ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴾ ''تو ہم کر دیتے ہیں آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے' ایک چھپا ہوا پردہ۔'' جو انہیں اس کے حقیقی فہم' اس کے حقائق کے تحقق اور جس بھلائی کی طرف یہ دعوت دیتا ہے اس کی اطاعت سے محجوب (آڑ) کر دیتا ہے۔ ﴿ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں'' ان کے ہوتے ہوئے یہ اس قرآن کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ البتہ یہ اسے اس طرح سنتے ہیں جس سے ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ''اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے'' یعنی ان کے کان قرآن سننے سے بہرے ہیں۔ ﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴾ ''اور جب آپ ذکر کرتے ہیں اپنے رب کا قرآن میں کہ وہ اکیلا ہے'' یعنی توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے اور شرک سے روکتے ہوئے ﴿ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾ ''تو بھاگ جاتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر'' قرآن سے نہایت سخت بغض رکھنے اور اپنے باطل موقف سے محبت کی وجہ سے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ (الزمر: ۴۵/۳۹) ''جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل کراہت کی وجہ سے منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا خود ساختہ خداؤں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوشی سے کھل جاتے ہیں۔''

﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے یہ سنتے ہیں'' یعنی ہم نے ان کو قرآن کے استماع کے وقت اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ہے کیونکہ ہم ان کے برے ارادوں کا علم رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی چھوٹی سی بات ہی ہاتھ آئے تاکہ اس کے ذریعے سے اس میں عیب جوئی کریں۔ ان کا قرآن سننا طلب ہدایت اور قبول حق کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ تو اس کی عدم اطاعت کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور جن کا یہ حال ہو تو استماع قرآن ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا' اس لئے فرمایا: ﴿ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى ﴾ ''جب وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور جب وہ مشاورت کرتے ہیں'' یعنی جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کرتے ہیں۔ ﴿ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''جب کہ ظالم کہتے ہیں'' اپنی سرگوشیوں میں: ﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

﴿اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ ''جس کی تم پیروی کرتے ہو' وہ تو ایک سحر زدہ آدمی ہے۔'' پس جب ان کی باہمی سرگوشی اس طرح کی بے انصافی پر مبنی ہوتی تھی جس کی بنیاد اس امر پر تھی کہ یہ شخص جادو زدہ ہے تو اس لیے وہ اس کے قول کا اعتبار نہیں کرتے اور سمجھتے تھے کہ یہ شخص نامعقول باتیں کرتا ہے اور اسے خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

﴿اُنْظُرْ﴾ یعنی تعجب کے ساتھ ان کی طرف دیکھئے۔ ﴿كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ ''کیسے بیان کرتے ہیں وہ آپ کے لئے مثالیں'' جو کہ گمراہ ترین اور حق وصواب سے سب سے زیادہ ہٹی ہوئی مثالیں ہیں ﴿فَضَلُّوْا﴾ ''پس وہ گمراہ ہوگئے۔'' یعنی اس بارے میں وہ گمراہ ہوگئے یا یہ ضرب الامثال ان کی گمراہی کا سبب بن گئیں کیونکہ انہوں نے اپنے معاملات کی بنیاد ان مثالوں پر رکھی اور کسی فاسد چیز پر رکھی ہوئی بنیاد اس سے زیادہ فاسد ہوتی ہے۔ ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ ''پس وہ راہ نہیں پاسکتے'' یعنی انہیں کسی طور بھی راستہ نہیں مل سکتا' اس لئے ان کے نصیب میں محض گمراہی اور صرف ظلم ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ

اور کہا انہوں نے کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا تو کیا بیشک ہم البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے پیدا کر کے نئے سرے سے؟ ○ کہہ دیجئے!

كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ

ہو جاؤ تم پتھر یا لوہا ○ یا (کوئی اور) مخلوق اس میں سے جو بڑی معلوم ہو تمہارے سینوں (دلوں) میں' پھر عنقریب کہیں گے وہ' کون

يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

دوبارہ لوٹائے گا ہمیں؟ آپ کہہ دیں' وہی جس نے پیدا کیا تمہیں پہلی بار' پھر عنقریب وہ ہلائیں گے آپ کی طرف اپنے سر اور وہ کہیں گے

مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ

کب ہوگا وہ؟ کہہ دیجئے! شاید کہ ہو وہ قریب ہی ○ جس دن وہ (اللہ) بلائے گا تمہیں تو تم تعمیل ارشاد کرو گے'

بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۱۲

حمد کرتے ہوئے اس کی' اور تم گمان کرو گے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا (سا وقت) ○

اللہ تبارک وتعالیٰ' زندگی بعد موت کا انکار کرنے والوں' اس کو جھٹلانے والوں اور اس کو بعید سمجھنے والوں کا یہ قول نقل کرتا ہے۔ ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا﴾ ''کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا'' یعنی جب ہم بوسیدہ ہو جائیں گے ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ ''کیا پھر ہم اٹھیں گے نئے بن کر؟'' یعنی ایسا نہیں ہوسکتا ان کے زعم کے مطابق یہ بہت محال ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کر کے اور اس کی آیات کو جھٹلا کر سخت جہالت کا ثبوت دیا ہے' خالق کائنات کی قدرت کو اپنی کمزور اور عاجز قدرت پر قیاس کیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایسا کرنا ان کے بس میں نہیں اور وہ اس پر قدرت نہیں رکھتے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت

کو بھی اسی پر قیاس کر لیا۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق میں سے کچھ لوگوں کو جہالت کی مثال بنایا ہے...... اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت عقلمند ہیں، حالانکہ ان کی جہالت سب سے واضح، سب سے نمایاں، دلائل و براہین کے اعتبار سے سب سے روشن اور سب سے بلند ہے...... تاکہ وہ اپنے بندوں کو دکھائے کہ یہاں سوائے اس کی توفیق اور اعانت یا ہلاکت اور ضلالت کے کچھ بھی نہیں۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸/۳) ”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت بخش دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر ہمیں اپنی رحمت سے نواز، بے شک تو بہت نوازنے والا ہے۔“

بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ زندگی بعد موت کو بعید سمجھنے والوں سے کہہ دیں ﴿كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ﴾ ”تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جس کو تم مشکل سمجھو اپنے جی میں“ تاکہ تم اس طرح اپنے زعم کے مطابق اس بات سے محفوظ ہو جاؤ کہ تم قدرت الٰہی کی گرفت میں آؤ یا اس کی مشیت تمہاری بابت نافذ ہو۔ پس تم کسی بھی حالت میں اور کسی بھی وصف میں منتقل ہو کر اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے اور اس زندگی میں اور موت کے بعد تم اپنے بارے میں کسی تدبیر کا اختیار نہیں رکھتے، اس لئے تدبیر اور تصرف اس ہستی کے لئے چھوڑ دو جو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز پر محیط ہے۔

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ﴾ ”پس وہ کہیں گے“ یعنی جب آپ زندگی بعد موت کے بارے میں ان پر حجت قائم کرتے ہیں۔ ﴿مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”کون لوٹا کر لائے گا ہم کو؟ کہہ دیجئے! وہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔“ یعنی جب تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا اسی طرح وہ تمہیں نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴/۲۱) ”جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم تخلیق کا اعادہ کریں گے۔“ ﴿فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ﴾ ”تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے۔“ یعنی وہ آپ کی بات پر تعجب اور انکار سے سر ہلاتے ہیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ﴾ ”اور کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟“ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا وقت کب ہوگا جیسا کہ تم کہتے ہو۔ یہ ان کی طرف سے زندگی بعد موت کا اقرار نہیں، بلکہ یہ ان کی سفاہت اور بزعم خود دلیل میں بے بس کرنا ہے۔ ﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا﴾ ”کہہ دیجئے! شاید یہ نزدیک ہی ہوگا“ اس لئے اس کے وقت کے تعین کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا فائدہ اور اس کا دار و مدار تو اس کے اقرار، اس کی تحقیق اور اس کے اثبات میں ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسے ضرور آنا ہے اس اعتبار سے وہ قریب ہی ہے۔

﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ﴾ ”جس دن وہ تم کو پکارے گا“ جب موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے لئے اللہ

تعالیٰ تمہیں پکارے گا اور صور پھونکا جائے گا۔ ﴿فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾ ''پس تم اس کی خوبی بیان کرتے ہوئے چلے آؤ گے'' یعنی تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور تم اس کی نافرمانی نہیں کر سکو گے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بِحَمْدِهٖ﴾ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل پر قابل ستائش ہے۔ جب وہ اپنے بندوں کو قیامت کے روز اکٹھا کرے گا تو ان کو جزا دے گا۔ ﴿وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ''اور تم خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا ہی عرصہ ٹھہرے ہو'' یعنی قیامت کے نہایت سرعت کے ساتھ واقع ہونے کی بنا پر اور جو نعمتیں تمہیں حاصل رہی ہیں۔ گویا کہ یہ سب کچھ واقع ہوا ہی نہیں۔ پس وہ لوگ جو قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہتے تھے: ﴿مَتٰی هُوَ﴾ ''قیامت کا دن کب ہوگا؟'' وہ قیامت کے ورود کے وقت بہت نادم ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ (المطففین: ۸۳/۱۷) ''یہ وہی دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ

اور کہہ دیجیے! میرے بندوں سے کہ وہ کہیں وہ بات کہ وہ بہت ہی اچھی ہو، بلاشبہ شیطان جھگڑا ڈلواتا ہے انکے درمیان، بیشک شیطان،

كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ

ہے واسطے انسان کے دشمن صریح ○ تمہارا رب خوب جانتا ہے تمہیں، اگر وہ چاہے تو رحم کرے تم پر یا اگر چاہے

یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

تو عذاب دے تمہیں، اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو ان پر ذمے دار (بنا کر) ○ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور زمین میں ہیں، اور البتہ تحقیق فضیلت دی ہم نے بعض نبیوں کو اوپر بعض کے، اور دی ہم نے داود کو زبور ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے انہیں بہتر اخلاق، اعمال اور اقوال کا حکم دیا ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کے موجب ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ ''کہہ دو، میرے بندوں سے، بات وہی کہیں جو اچھی ہو۔'' یہ ہر اس کلام کے بارے میں حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے مثلاً قراءت قرآن، ذکر الٰہی، حصول علم، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب اور حسب منزلت شیریں کلامی وغیرہ۔ اگر دو اچھے امور درپیش ہوں اور ان دونوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو تو ان میں جو بہتر ہو اس کو ترجیح دی جائے اور اچھی بات ہمیشہ خلق جمیل اور عمل صالح کو دعوت دیتی ہے، اس لیے جسے اپنی زبان پر اختیار ہے اس کے تمام معاملات اس کے اختیار میں ہیں۔ ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ﴾ ''بے شک شیطان ان کے درمیان جھڑپ کرواتا ہے'' یعنی شیطان بندوں کے دین و دنیا کو خراب کر کے ان کے درمیان فساد پھیلانا چاہتا ہے اور اس فساد کی دوا یہ ہے کہ وہ بری باتوں میں شیطان کی پیروی نہ کریں جن کی طرف شیطان

دعوت دیتا رہتا ہے اور آپس میں نرم رویہ اختیار کریں تا کہ شیطان کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع ہو جوان کے درمیان فساد کا بیج بوتا رہتا ہے' اس لئے کہ شیطان ان کا حقیقی دشمن ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے خلاف مصروف جنگ رہیں۔ اس لیے کہ وہ تو انہیں دعوت دیتا رہتا ہے ﴿ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ (فاطر: ۶/۳۵) ''تا کہ وہ جہنم والے بن جائیں۔'' اگرچہ شیطان ان کے درمیان فساد اور عداوت ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے لیکن اس بارے میں کامل حزم و احتیاط یہ ہے کہ اپنے دشمن شیطان کی مخالفت کی جائے' نفس امارہ کا قلع قمع کیا جائے جس کے راستے سے شیطان داخل ہوتا ہے' اس طرح وہ اپنے رب کی اطاعت کر سکیں گے' ان کا معاملہ درست رہے گا اور راہ ہدایت پالیں گے۔

﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ﴾ ''تمہارا رب تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہے'' اس لئے تمہارے لئے وہی چاہتا ہے جس میں تمہاری بھلائی ہے اور تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں تمہاری کوئی مصلحت ہے بسا اوقات تم ایک چیز کا ارادہ کرتے ہو مگر بھلائی اس کے برعکس کسی اور چیز میں ہوتی ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ﴾ ''اگر وہ چاہے' تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے۔'' پس جسے چاہتا ہے اسباب رحمت کی توفیق عطا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسباب رحمت سے محروم ہو کر عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴾ ''اور ہم نے آپ کو ان پر ذمے دار بنا کر نہیں بھیجا'' کہ آپ ان کے معاملات کی تدبیر کریں اور ان کو جزا دیں۔ وکیل اور کارساز تو صرف اللہ ہے اور آپ تو صرف صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں'' یعنی وہ تمام مخلوق کو جانتا ہے۔ پس ان میں سے جو کوئی جس چیز کا مستحق ہے اور اس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے اسے وہی عطا کرتا ہے اور وہ تمام حسی اور معنوی خصائل میں ان کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرتا ہے۔ جیسے اس نے بعض انبیاء علیہم السلام کو وحی میں ان کے اشتراک کے باوجود بعض فضائل اور خصائص میں' جو محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے' بعض پر فضیلت دی ہے' مثلاً اوصاف ممدوحہ' اخلاق جمیلہ' اعمال صالحہ' کثرت متبعین اور ان میں سے بعض پر کتابوں کا نزول جو عقائد اور احکام شریعت پر مشتمل ہیں' جیسا کہ داود علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی جو کہ ایک معروف آسمانی کتاب ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے اور ان میں سے بعض کو کتاب شریعت عطا کی' تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے کفار اس کتاب اور نبوت کا کیوں انکار کرتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی اور اس فضیلت کا کیوں انکار کرتے ہیں جو آپ کو عطا کی گئی۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾

کہہ دیجئے! بلاؤ ان کو جنہیں (معبود) سمجھتے ہو تم سوائے اللہ کے، پس تمہیں وہ اختیار رکھتے تکلیف ہٹانے کا تم سے، اور نہ (اسے) بدلنے ہی کا ۝

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ

یہ لوگ جنہیں وہ (مشرک) پکارتے ہیں، تلاش کرتے ہیں وہ اپنے رب کی طرف ذریعۂ قرب کہ کونسا ان کا زیادہ قریب ہے (اللہ سے)؟

وَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَہٗ وَ یَخَافُوۡنَ عَذَابَہٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴿۵۷﴾

اور امید رکھتے ہیں وہ اسکی رحمت کی، اور ڈرتے ہیں وہ اسکے عذاب سے، بلاشبہ عذاب آپکے رب کا (واقعی) ہے ڈرنے کی چیز ۝

﴿قُلۡ﴾ ''کہہ دیجیے۔'' یعنی مشرکین سے ان کے اعتقاد کی صحت پر دلیل طلب کرتے ہوئے کہہ دیجئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں، جن کی یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، جن کو یہ اسی طرح پکارتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں...... کہ اگر وہ سچے ہیں تو ﴿ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ﴾ ''پکارو تم ان کو جن کو تم گمان کرتے ہو'' یعنی جن کے بارے میں تم اس زعم میں مبتلا ہو کہ وہ معبود ہیں ﴿مِّنۡ دُوۡنِہٖ﴾ ''اللہ کو چھوڑ کر'' پس غور کرو کہ آیا وہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں یا تمہیں کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ ﴿فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ﴾ ''سو وہ نہیں اختیار رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا'' یعنی یہ خود ساختہ معبود، فقر اور سختی وغیرہ کو بالکل دور نہیں کر سکتے۔ ﴿وَ لَا تَحۡوِیۡلًا﴾ ''اور نہ بدلنے کا'' اور نہ یہ باطل معبود کسی سختی کو کسی ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہی کر سکتے ہیں۔ پس جب ان باطل معبودوں کے یہ اوصاف ہیں تو تم اللہ کے سوا انہیں کس لئے پکارتے ہو؟ یہ کسی کمال کے مالک ہیں نہ افعال نافعہ کے۔ تب ان بے بس اور بے اختیار ہستیوں کو معبود بنانا عقل و دین کی کمی اور رائے کی سفاہت ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جب انسان سفاہت میں پڑے رہنے کی وجہ سے اس کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے گمراہ آباء و اجداد سے اخذ کرتا ہے تو اسی سفاہت کو انتہائی درست رائے اور عقل مندی سمجھنے لگتا ہے اور اس کے برعکس اللہ واحد کے لئے...... جو تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرنے والا ہے...... اخلاص کو سفاہت خیال کرتا ہے۔ یہ کتنا تعجب خیز معاملہ ہے، جیسا کہ مشرکین کا قول ہے: ﴿اَجَعَلَ الۡاٰلِـہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ﴾ (صٓ: ۵/۳۸) ''کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مشرکین اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہیں وہ ان سے بے خبر ہیں، وہ خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اس کی طرف وسیلہ کے متلاشی ہیں۔ فرمایا: ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ﴾ ''وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں'' یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے ﴿یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ﴾ ''وہ ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون زیادہ نزدیک ہے'' یعنی اپنے رب کے قرب کے حصول کے

لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مقدور بھر ایسے اعمال میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہیں ﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ ''اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' پس وہ ہر اس کام سے اجتناب کرتے ہیں جو عذاب کا موجب ہے۔ ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ ''آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے'' اس لئے ضروری ہے کہ ان تمام اسباب سے بچا جائے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے موجب ہیں۔

خوف' امید اور محبت' یہ تین امور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقربین کا وصف قرار دیا ہے' ہر بھلائی کی اساس ہیں۔ جس نے ان تینوں امور کی تکمیل کر لی' اس کے تمام امور مکمل ہو گئے اور اگر قلب ان امور سے خالی ہے تو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا اور برائیاں اس کو گھیر لیں گی اور اللہ تعالیٰ نے محبت الٰہی کی علامت یہ بتائی ہے کہ بندہ ہر اس کام میں جدوجہد کرتا ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص' خیر خواہی اور حتی المقدور ان کو بہترین طریقے سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اس کے قرب کے حصول کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان تمام امور کے بغیر اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

اور نہیں کوئی بستی مگر ہم ہلاک کریں گے اسے پہلے دن قیامت سے یا عذاب دیں گے اسے

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٥٨﴾

عذاب شدید، ہے یہ کتاب میں لکھا ہوا ○

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلانے والی کوئی بستی ایسی نہیں جسے روز قیامت سے پہلے ہلاکت یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی مقرر کردہ تقدیر ہے جس کا وقوع لازمی ہے' لہٰذا اس سے قبل کہ عذاب کا حکم آ جائے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہو جائے تکذیب کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کے رسولوں کی تصدیق کریں۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ

اور نہیں منع کیا ہمیں (اس سے) کہ بھیجیں ہم نشانیاں، مگر (اس بات نے) کہ جھٹلایا تھا ان کو پہلے لوگوں نے، اور دی تھی ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿٥٩﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

(نشانی) واضح، پس ظلم کیا انہوں نے اس کے ساتھ، اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں مگر ڈرانے کیلئے ○ اور جب کہا ہم نے آپ سے، کہ بیشک آپکے رب نے

اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

گھیرا ہوا ہے لوگوں کو، اور نہیں بنایا ہم نے اس رؤیا (دیکھنے) کو، وہ جو دکھایا ہم نے آپ کو، مگر ایک آزمائش لوگوں کیلئے اور اس درخت (زقوم) کو بھی

الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ (٦٠) ع

جس پر لعنت کی گئی ہے قرآن میں، اور ہم ڈراتے ہیں انہیں، پس نہیں بڑھاتا انہیں (ہمارا ڈرانا) مگر زیادہ بڑی سرکشی ہی میں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے اہل تکذیب کے مطالبے کے مطابق معجزات نازل نہیں فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے صرف اس وجہ سے معجزات ارسال نہیں فرمائے کہ وہ ان کو جھٹلا دیں گے اور جب یہ ان معجزات کو جھٹلا دیں گے تو ان پر بغیر کسی تاخیر کے فوراً عذاب نازل ہو جائے گا‘ جیسا کہ پہلے لوگوں کے ساتھ کیا گیا تھا جنہوں نے معجزات کی تکذیب کی اور سب سے بڑا معجزہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثمود کی طرف ارسال کیا وہ عظیم اونٹنی تھی کہ جس کے پانی پینے کے دن تمام قبیلے کو پانی نہ ملتا تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے اس کی تکذیب کی اور اس کی پاداش میں ان پر وہ عذاب ٹوٹ پڑا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر ان کے پاس بڑے بڑے معجزات آتے‘ تب بھی یہ ایمان نہ لاتے۔ اس لئے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ چیز ان سے اوجھل اور ان پر مشتبہ ہوگئی جو رسول لے کر آیا تھا کہ آیا یہ حق ہے یا باطل کیونکہ رسول تو ان کے پاس بے شمار دلائل وبراہین لے کر آیا ہے جو اس کی دعوت کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ دعوت اس شخص کی ہدایت کی موجب ہے جو ہدایت کا طلب گار ہے ان کے سوا دیگر معجزات وبراہین بھی انہی دلائل کی مانند ہیں جو رسول اللہ ﷺ پیش کر چکے ہیں انہوں نے جو سلوک ان کے ساتھ کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے اور ان کی حالت یہ ہو تو معجزات کا نازل نہ کرنا ان کے لئے بہتر اور فائدہ مند ہے۔

﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ ’’اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے‘‘ یعنی ان آیات کا یہ مقصد نہ تھا کہ یہ ایمان کی موجب اور اس کی طرف دعوت دیتی تھیں اور ایمان کا حصول ان کے بغیر ممکن نہ تھا بلکہ ان آیات کا مقصد صرف تخویف وترہیب تھا تاکہ وہ اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ ’’اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت سے لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔ پس ان کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں جہاں یہ چھپ سکیں اور کوئی پناہ گاہ نہیں جہاں اللہ سے بھاگ کر پناہ لے سکیں اور یہ چیز عقل مند کے لئے ان امور سے باز رہنے کے لئے کافی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جس نے تمام لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ ’’اور نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو آپ کو دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے۔‘‘ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے۔ ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ ’’اور (ایسے ہی) وہ درخت جس پر قرآن میں پھٹکار ہے‘‘ جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے اور اس سے مراد زقّوم (تھوہر) کا پودا ہے جو جہنم کی تہہ سے اگتا ہے...... معنی یہ ہے کہ یہ دونوں امور لوگوں کے لئے

آزمائش بن گئے یہاں تک کہ کفار اپنے کفر پر جم گئے اور ان کا شر اور زیادہ ہوگیا۔ جب آپ نے ان کو بعض امور کے بارے میں آگاہ فرمایا جن کا آپ نے معراج کی رات مشاہدہ فرمایا تھا اور آپ نے خبر دی تھی کہ ’’مجھے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا‘‘ جو ایک خارق عادت واقعہ تھا تو بعض کمزور ایمان والے اپنے ایمان سے پھر گئے۔ زقّوم کے پودے کے بارے میں خبر دینا‘ جو جہنم کی تہہ سے اگتا ہے‘ یہ بھی ایک خارق عادت معاملہ ہے جو ان کے لئے تکذیب کا موجب بنا۔ پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں اور بڑے بڑے خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ اور اس کے سبب سے ان کے شر میں اضافہ نہ ہو جاتا؟ بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے ان خوارق کو ان سے ہٹا دیا۔ یہیں سے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے امور کا قرآن و سنت میں صراحت کے ساتھ مذکور نہ ہونا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کیونکہ وہ امور جن کی نظیر کا لوگوں نے مشاہدہ نہ کیا ہو بسا اوقات ان کی عقل ان کو قبول نہیں کر پاتی اور یوں یہ چیز بعض اہل ایمان کے دلوں میں شکوک و شبہات کا باعث بنتی ہے اور ایسا مانع رکاوٹ بن جاتی ہے جو لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے اور ان کو اسلام سے متنفر کرتی ہے‘ اس لئے اللہ تعالیٰ نے عام الفاظ استعمال کئے ہیں جو تمام امور کو شامل ہیں۔

﴿وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾ ’’اور ہم ان کو ڈراتے ہیں (نشانیوں کے ساتھ) تو وہ ان کو بڑی شرارتوں میں زیادہ ہی کرتی ہیں۔‘‘ تخویف ان کی سرکشی کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے اور شر کی محبت اور خیر سے بغض رکھنے اور خیر کی عدم پیروی کے بارے میں یہ بلیغ ترین پیرایہ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے، سجدہ کرو تم آدم کو، تو سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے، اس نے کہا، کیا سجدہ کروں میں اسے جسے

خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ

پیدا کیا ہے تو نے مٹی سے؟ ○ ابلیس نے کہا، دیکھ تو یہ شخص جسے بزرگی دی ہے تو نے مجھ پر البتہ اگر مہلت دی تو نے مجھے روز

الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ

قیامت تک، تو البتہ ضرور جڑ سے اکھیڑ دوں گا اس کی اولاد کو، سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ○ اللہ نے فرمایا، جا پھر جو کوئی پیروی کرے گا تیری، ان میں سے، تو بلاشبہ

جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ

جہنم ہی سزا ہے تمہاری، سزا پوری پوری ○ اور بہکا لے جس کو تو استطاعت رکھتا ہے ان میں سے، ساتھ اپنی آواز کے، اور کھینچ لا

عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ

ان پر سوار اپنے اور پیادے اپنے، اور شریک (ساجھی) بن جا تو ان کا مالوں اور اولاد میں اور وعدے دے انہیں (جھوٹے)، اور نہیں وعدہ دیتا انہیں

الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۶۵﴾

شیطان مگر فریب ہی کا ○ بے شک میرے بندے، نہیں ہے واسطے تیرے ان پر کوئی غلبہ، اور کافی ہے آپکا رب بطور کارساز ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو شیطان کی سخت عداوت اور اس کی بندوں کو گمراہ کرنے کی بے پناہ حرص کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے‘ نیز اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جب اس نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا‘ تو شیطان نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ﴿قَالَ﴾ اور نہایت تکبر سے کہا: ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا﴾ ”کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی کا بنایا“ یعنی جس کو تو نے گارے سے پیدا کیا اور بزعم خود وہ آدم سے بہتر ہے کیونکہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ گزشتہ صفحات میں متعدد پہلوؤں سے اس قیاس باطل کی خرابی بیان کی جا چکی ہے۔ جب ابلیس پر واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے ﴿قَالَ﴾ تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ﴿اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ﴾ ”بھلا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے‘ اگر تو مجھے قیامت تک ڈھیل دے دے تو میں اس کی اولاد کو اپنے بس میں کر لوں گا“ یعنی میں ضلالت کے ذریعے سے ضرور ان کو تباہ کروں گا اور ضرور ان کو سیدھے راستے سے بھٹکاؤں گا۔ ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ”سوائے تھوڑے لوگوں کے“ اس خبیث کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بنی آدم میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہوں گے جو اس سے عداوت رکھیں گے اور اس کی بات نہیں مانیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ﴿اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ﴾ ”جا‘ ان میں سے جس نے تیری پیروی کی“ اور اپنے رب اور اپنے حقیقی سرپرست کو چھوڑ کر تجھے چن لیا۔ ﴿فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ ”پس تم سب کی سزا جہنم ہے‘ سزا پوری“ یعنی تمہارے لئے تمہارے اعمال کی پوری پوری جزا جمع کر دی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ وہ اس کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے پورا زور لگا لے‘ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ﴾ ”اور بہکا لے ان میں سے جس کو تو بہکا سکے اپنی آواز سے۔“ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو معصیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ ﴿وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ﴾ ”اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے۔“ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سوار ہو کر یا پیدل بھاگ دوڑ کرتا ہے‘ شیطان کے سواروں اور پیادوں میں داخل ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کھلے دشمن کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے جو اپنے قول وفعل کے ذریعے سے ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿وَشَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ ”اور ساجھا کر ان سے مالوں میں اور اولاد میں۔“ اس میں ہر وہ معصیت شامل ہے جو ان کے مال اور اولاد سے متعلق ہے‘ مثلاً زکوٰۃ‘ کفارات‘ حقوق واجبہ ادا نہ کرنا‘ اولاد کی بھلائی اختیار کرنے اور شر کو ترک کرنے کی تربیت نہ کرنا‘

ناحق مال لینا یا مال کو ناحق خرچ کرنا اور روزگار میں حرام ذریعے اختیار کرنا' وغیرہ بلکہ بہت سے مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ کھانا کھاتے' پانی پیتے اور جماع کرتے وقت بسم اللہ سے ابتدا نہ کرنا' مال اور اولاد میں شیطان کو شریک کرنے میں داخل ہے کیونکہ حدیث ① میں وارد ہے کہ ان مذکورہ کاموں میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ ﴿وَعِدۡهُمۡ﴾ یعنی ان کے ساتھ سجا سجا کر جھوٹے وعدے کر جن کی کوئی حقیقت نہیں' بنا بریں فرمایا: ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا﴾ ''شیطان ان سے جو وعدہ کرتا ہے' وہ فریب ہوتا ہے'' یعنی شیطان ان کے ساتھ جو وعدہ کرتا ہے وہ محض جھوٹا اور انتہائی بودا ہوتا ہے' جیسے وہ ان کے سامنے معاصی اور عقائد فاسدہ کو سجا کر پیش کرتا ہے اور ان پر اجر کا وعدہ کرتا ہے' کیونکہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا﴾ (البقرۃ:۲/۲۶۸)

''شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں فحش کام کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔''

یہ خبر دینے کے بعد کہ شیطان بندوں کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے ذریعے سے اس کے فتنے سے بچا جا سکتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبودیت' ایمان پر قائم رہنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل' چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ﴾ ''بے شک میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہوگا'' یعنی تجھے ان پر کوئی تسلط ہوگا نہ تو ان کو بھٹکا سکے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے قیام عبودیت کی بنا پر ان سے ہر قسم کے شر کو دور ہٹا دے گا' شیطان مردود سے ان کی حفاظت کرے گا اور ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔ ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيۡلًا﴾ ''اور آپ کا رب کافی ہے بطور کارساز'' یعنی جو کوئی اس پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے' تو آپ کا رب اس کا کارساز ہے اور اس کے لئے کافی ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِيۡ يُزۡجِيۡ لَكُمُ الۡفُلۡكَ فِي الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ
تمہارا رب تو وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیاں سمندر میں تا کہ تلاش کرو تم فضل (رزق) اس کا بیشک وہ ہے تمہارے ساتھ
رَحِيۡمًا ۝۶۶ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمۡ
بہت رحم کرنیوالا ○ اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اس ایک اللہ کے پھر جب وہ نجات دیتا ہے تمہیں
اِلَى الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ۝۶۷ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ
خشکی کی طرف تو منہ پھیر لیتے ہو تم اور ہے انسان نہایت ناشکرا ○ کیا پس بے خوف ہو گئے ہو تم اس سے کہ وہ دھنسا دے تمہیں ایک جانب
الۡبَرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ وَكِيۡلًا ۝۶۸ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ
خشکی کے یا بھیج دے تم پر سنگ ریزوں والی سخت ہوا؟ پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے کوئی کارساز ○ یا بے خوف ہو گئے ہو تم اس سے کہ وہ لوٹا دے تمہیں

---

① صحیح بخاری' الأطعمة' باب التسمية...... الخ' حدیث: ۵۳۷۶

فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ

اسی (سمندر) میں دوسری بار، پھر وہ بھیجے تم پر توڑ پھوڑ دینے والی ہوا کہ وہ غرق کر دے تمہیں بوجہ اس کے کہ کفر کیا تم نے،

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿٦٩﴾

پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ہم پر بدلے اس کے کوئی پیچھا کرنے والا؟ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کے لیے کشتیوں، سفینوں اور دیگر سواریوں کو مسخر کر دیا اور ان کو الہام کے ذریعے سے کشتی سازی کی صنعت ودیعت کی، موجیں مارتا ہوا سمندر ان کے لیے مسخر کر دیا جس کی پیٹھ پر یہ سفینے تیرتے پھرتے ہیں تاکہ بندے اس پر سوار ہوں اور اپنے مال ومتاع کی نقل وحمل میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے پایاں رحمت ہے وہ ہمیشہ سے ان پر بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ انہیں ہر وہ چیز عنایت کرتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے جو یہ دلالت کرتی ہے کہ باطل معبودوں کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے۔ جب سمندر میں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نیچے بلند ہوتی ہوئی موجوں کی وجہ سے جب وہ ہلاکت سے ڈرتے ہیں تو وہ ان تمام زندہ اور مردہ معبودوں کو بھول جاتے ہیں جنہیں وہ اپنی خوش حالی میں اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے...... اس وقت تو ایسے لگتا ہے جیسے انہوں نے کسی وقت بھی ان کمزور معبودوں کو نہیں پکارا جو کسی قسم کی تکلیف دور کرنے سے عاجز ہیں اور وہ کائنات کو پیدا کرنے والے کو پکارتے ہیں جس کو تمام مخلوق اپنی سختیوں میں مدد کے لیے پکارتی ہے اور وہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔

پس جب اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے اور انہیں صحیح سلامت کنارے پر لگا کر سمندر کی ہلاکت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں جو انہوں نے اللہ کو پکارا تھا۔ پھر وہ ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیتے ہیں جو کوئی نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، جو کسی کو عطا کر سکتی ہیں نہ کسی کو محروم کر سکتی ہیں اور اپنے رب اور مالک سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہ انسان کی جہالت اور ناسپاسی ہے۔ بے شک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سخت ناسپاس ہے، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ راہ راست دکھا دے۔ پس اسے عقل سلیم سے نواز دیتا ہے اور وہ راہ راست پر گامزن ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو مصیبتیں دور کرتا ہے، اہوال سے نجات دیتا ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ سختی اور نرمی میں، خوشحالی اور تنگدستی میں تمام اعمال کو صرف اسی کے لیے خالص کیا جائے۔ رہا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ اس کی کمزور عقل کے حوالے کر دے تو وہ مصیبت اور سختی کے وقت صرف موجودہ اور عارضی مصلحت کو ملحوظ اور اس حال میں اپنی نجات کو مدنظر رکھتا ہے اور جب اسے اس مصیبت سے نجات حاصل

ہوتی ہے اور اس سے سختی دور ہو جاتی ہے تو وہ اپنی حالت کی وجہ سے سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو بے بس کر دیا اور اس کے دل میں آخرت کا خیال تو کجا اسے اپنے دنیاوی انجام کے بارے میں بھی کبھی خیال نہیں آتا۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ کہہ کر یاددہانی کروائی ہے۔ ﴿اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا﴾ ’’کیا تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں کی بھری ہوئی آندھی چلا دے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب کے طور پر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی طوفانی ہوا بھیج دے اور یہ وہ عذاب ہے جو ان کو پہنچے گا اور وہ سب ہلاک ہو جائیں اس لیے یہ نہ سوچو کہ سمندر کے سوا کہیں اور عذاب نہیں آ سکتا اور اگر تم یہی سمجھتے ہو تو کیا تم اس بات سے محفوظ ہو کہ ﴿اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ﴾ ’’وہ تمہیں پھر سمندر میں لے جائے دوسری مرتبہ، پھر بھیجے وہ تم پر سخت ہوا کا جھونکا‘‘ یعنی سخت تیز ہوا جو جہاں سے گزرے ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے۔ ﴿فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا﴾ ’’پس وہ تمہیں تمہاری ناشکری کی وجہ سے غرق کر دے، پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا‘‘ یعنی کوئی تاوان اور مطالبہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذرہ بھر تم پر ظلم نہیں کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

اور البتہ تحقیق عزت دی ہم نے بنی آدم کو اور سوار کیا ہم نے انہیں خشکی اور تری میں اور رزق دیا ہم نے انکو پاکیزہ (چیزوں) سے،

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿٧٠﴾ ع

اور فضیلت دی ہم نے ان کو اوپر بہت سی (مخلوقات) کے ان میں سے جنکو پیدا کیا ہم نے، فضیلت بڑی ○

ربع

یہ اس کا بے پناہ کرم واحسان ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا...... کہ اس نے بنی آدم کو ہر لحاظ سے عزت و تکریم سے نوازا۔ انہیں علم وعقل عطا کر کے، انبیاء ورسل بھیج کر اور ان پر کتابیں نازل کر کے اکرام بخشا، ان میں سے اپنے اولیاء اور دیگر چنے ہوئے بندے پیدا کئے اور ان کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا۔ ﴿وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ﴾ ’’اور ہم نے سواری دی ان کو خشکی میں‘‘ یعنی ہم نے انہیں اونٹوں، خچروں، گدھوں اور دیگر زمینی سواریوں پر سوار کرایا۔ ﴿وَالْبَحْرِ﴾ ’’اور دریا میں‘‘ یعنی ہم نے انہیں بحری جہازوں اور کشتیوں پر سوار کرایا۔

﴿وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ’’اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی‘‘ یعنی ہم نے انہیں ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور بیویاں عطا کیں، چنانچہ ہر وہ پاک چیز جس کے ساتھ ان کی ضروریات وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کو مشرف فرمایا اور اس کا حصول ان کے لئے نہایت آسان کر دیا۔

﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾ ’’اور ہم نے بہت سی مخلوق پر ان کو بڑی فضیلت عطا کی‘‘ یعنی

ہم نے انہیں بہت سے مناقب کے ذریعے سے خصوصی اعزاز بخشا اور انہیں بہت سے فضائل عطا کیے جو مختلف اقسام کی دیگر مخلوقات کو عطا نہیں کیے...... پھر وہ اس ہستی کا شکر کیوں نہیں کرتے جس نے نعمتیں عطا کیں، تکالیف دور کیں؟ یہ نعمتیں انہیں اللہ تعالیٰ سے محجوب نہ کریں کہ وہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر اپنے رب کی عبادت سے غافل ہو جائیں بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان نعمتوں کو اپنے رب کی نافرمانی میں استعمال کیا۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جس دن بلائیں گے ہم تمام انسانوں کو انکے امام کے ساتھ، پس جو شخص کہ دیا گیا اس کا نامۂ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں، سو یہی لوگ

يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (٧١) وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ

پڑھیں گے اعمال نامے اپنے اور نہ ظلم کیے جائیں گے وہ تاگے برابر بھی ○ اور جو کوئی ہے اس (دنیا) میں

اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (٧٢)

اندھا تو وہ ہوگا آخرت میں بھی اندھا اور بہت زیادہ بھٹکا ہوا راہ سے ○

قیامت کے روز مخلوق کا جو حال ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو (اپنی عدالت میں) بلائے گا ان کے ساتھ ان کے امام اور رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والے راہنما یعنی انبیاء و مرسلین اور ان کے نائبین بھی ہوں گے۔ پس ہر امت اللہ کے حضور پیش ہوگی اور اس امت کو وہی رسول، اللہ کے حضور پیش کرے گا جس نے دنیا میں اسے دعوت توحید پیش کی تھی۔ ان کے اعمال اس کتاب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جسے لے کر رسول اس امت میں مبعوث ہوا تھا کہ آیا ان کے اعمال اس کتاب کے موافق ہیں یا نہیں۔

تب یہ لوگ دو قسم کے گروہوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ ﴿فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ﴾ "پس جس کو ملا اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں" کیونکہ اس نے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والے اپنے ہادی و راہنما کی پیروی کی تھی اور اس کی کتاب کو اپنا لائحہ عمل بنایا تھا تب اس کی نیکیاں بڑھ گئیں اور اس کے گناہ کم ہو گئے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ﴾ "پس وہ (خوش خوش) اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے" کیونکہ وہ اس اعمال نامے میں ایسی چیزیں دیکھیں گے جنہیں دیکھ کر انہیں فرحت و سرور حاصل ہوگا۔ ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ "اور ان پر ایک دھاگے برابر ظلم نہیں ہوگا" یعنی انہوں نے جو نیک عمل کیے ہیں اس بارے میں ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ﴾ اور جو رہا اس دنیا میں ﴿اَعْمٰى﴾ "اندھا" یعنی حق کے دیکھنے سے۔ پس اس نے حق کو قبول کیا نہ اس کی پیروی کی بلکہ وہ گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ﴿فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ "تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا" یعنی جس طرح وہ دنیا میں جنت کے راستے پر گامزن نہ ہوا اسی طرح وہ آخرت میں بھی جنت کے راستے کو دیکھ نہ سکے گا ﴿وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ "اور بہت دور پڑا ہوا راستے سے" کیونکہ عمل کی جزا بھی اسی کی جنس

سے ہوتی ہے یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر امت کو اس کے دین اور کتاب کی طرف بلایا جائے گا کہ آیا اس نے اس کتاب کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟ ان کا کسی ایسے نبی کی شریعت کے مطابق مواخذہ نہیں کیا جائے گا جس کی اتباع کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو صرف اسی وقت عذاب دیتا ہے جب اس پر حجت قائم کر دی گئی ہو اور اس نے اس کی مخالفت کی ہو اور نیک لوگوں کو ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے اور انہیں بہت زیادہ فرحت و سرور حاصل ہوگا اور اس کے برعکس برے لوگوں کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور وہ غم زدہ ہوں گے وہ شدت حزن و غم اور ہلاکت کی وجہ سے اپنے اعمال ناموں کو پڑھنے پر قادر نہ ہوں گے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ڰ وَاِذًا

اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ البتہ پھسلا دیتے آپکو اس چیز سے جو وحی کی ہم نے آپکی طرف، تاکہ گھڑ لیں آپ ہم پر (باتیں) سوائے اس (وحی) کے، اور اس وقت

لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾

ضرور بنا لیتے وہ آپکو دوست ○ اور اگر نہ ثابت (قدم) رکھتے ہم آپکو تو البتہ تحقیق قریب تھے آپ کہ جھک جاتے انکی طرف کچھ تھوڑا سا ○

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ

اس وقت ضرور چکھاتے ہم آپکو دوگنا عذاب زندگی میں اور دوگنا عذاب موت پر، پھر نہ پاتے آپ اپنے لئے ہمارے خلاف کوئی مددگار ○ اور بلاشبہ

كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ

قریب تھے وہ کہ اکھاڑ دیں وہ آپ (کے قدموں) کو اس زمین (مکہ) سے، تاکہ نکال دیں وہ آپکو اس سے، اور اس وقت نہ ٹھہرتے وہ (خود بھی) بعد آپکے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا

مگر تھوڑی ہی دیر ○ (مانند) طریقے انکے جنہیں بھیجا ہم نے پہلے آپ سے اپنے رسولوں میں سے،

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ۸ ع ۸

اور نہیں پائیں گے آپ ہمارے طریقے (قانون) میں کوئی تبدیلی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر اپنے احسان و نوازش اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا ذکر کرتا ہے جو ہر طریقے سے آپ کو آزمائش میں مبتلا کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ﴾ ”یقیناً قریب تھا کہ وہ آپ کو بہکا دیتے اس وحی سے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی تاکہ آپ جھوٹ بنا لائیں ہم پر وحی کے سوا“ یعنی وہ آپ کے خلاف ایک معاملے میں سازش کر چکے ہیں مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے انہوں نے آپ کے خلاف چال

چلی تھی کہ آپ اس قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اور بہتان گھڑیں جو ان کی خواہشات نفس کے موافق ہو اور آپ اس چیز کو چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔

﴿وَاِذًا﴾ ''اور تب'' یعنی اگر آپ وہ کچھ کرتے جو وہ چاہتے ہیں تو ﴿لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا﴾ ''وہ بنا لیتے آپ کو دوست'' یعنی خاص دوست' جو ان کو ان کے دوستوں سے زیادہ عزیز ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب سے نوازا ہے جو قریب اور بعید' دوست اور دشمن سب کو پسند ہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ صرف اس حق کی وجہ سے عداوت رکھتے ہیں جسے آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں' ان کو آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ کوئی عداوت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۳۳/۶) ''ہم جانتے ہیں کہ جو لوگ یہ باتیں بناتے ہیں ان سے آپ کو دکھ ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔''

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ﴾ ''اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو سنبھالے رکھا'' بایں ہمہ اگر ہم نے آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھا ہوتا اور آپ کو گمراہی کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کر کے آپ پر احسان نہ کیا ہوتا ﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ ''تو قریب تھا کہ آپ جھک جاتے ان کی طرف تھوڑا سا'' یعنی ان کی ہدایت کی کوشش اور چاہت میں ﴿اِذًا﴾ ''تب'' یعنی اگر آپ ان کی خواہشات کی طرف مائل ہو جاتے ﴿لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ ''ہم ضرور چکھاتے آپ کو دگنا (عذاب) زندگی میں اور دگنا مرنے میں'' یعنی ہم آپ کو دنیا و آخرت میں کئی گنا عذاب دیتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل ترین نعمتوں سے نوازا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہے۔

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ ''پھر نہ پاتے آپ اپنے لئے ہم پر مدد کرنے والا'' جو آپ کو نازل ہونے والے عذاب سے بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو شر اور تمام اسباب شر سے محفوظ رکھا' آپ کو ثابت قدمی عطا کی اور صراط مستقیم کی طرف آپ کی راہنمائی فرمائی اور آپ کسی طرح بھی مشرکین کی طرف مائل نہ ہوئے۔ پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے کامل ترین نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔

﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ ''اور یقیناً قریب تھا کہ وہ پھسلا دیں آپ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں وہ آپ کو یہاں سے'' یعنی آپ کے ساتھ ان کے درمیان رہنے پر بغض کے سبب سے آپ کو سرزمین مکہ سے نکالنے اور آپ کو جلاوطن کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو آپ کے بعد بہت تھوڑا عرصہ یہاں ٹھہر سکیں گے یہاں تک کہ ان پر عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ سنت

الٰہی ہے اور تمام قوموں کے بارے میں سنت الٰہی میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ جس قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس کو نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں اس پر عذاب نازل کر دیا۔ جب کفار مکہ نے آپ کے خلاف سازشیں کیں اور آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تو وہ کچھ زیادہ عرصہ مکہ میں نہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر میدان بدر میں عذاب نازل کر دیا' ان کے تمام بڑے بڑے اور سرکردہ سردار قتل کر دیئے گئے اور ان کی کمر توڑ دی گئی۔ فَلَهُ الْحَمْدُ.

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ بندہ اس بات کا شدید محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی سے نوازے رکھے اور یہ کہ بندہ گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے ایمان پر ثابت قدمی عطا کرے اور اس مقصد کے حصول کے لئے تمام اسباب اختیار کرنے میں کوشاں رہے۔ نبی مصطفیٰ ﷺ مخلوق میں سب سے کامل ہستی تھے بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ کی طرف سے اس بات کی یاد دہانی ہے کہ اس نے اپنے رسول پر احسان فرمایا اور اس کو شر سے محفوظ رکھا۔ پس یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے یہ امر پسند کرتا ہے کہ وہ اسباب شر کے وجود کے وقت اس کی نعمتوں کا ادراک کریں کہ اس نے ان کو شر سے بچایا اور ایمان پر ثبات عطا کیا۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندے کے بلند مرتبے کے مطابق اس کو پے در پے نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب وہ قابل ملامت فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کا گناہ بھی بڑا ہوتا ہے اور اس کا جرم کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس ارشاد کے ذریعے سے نصیحت فرمائی حالانکہ آپ ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے جرائم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتے ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ثابت ہو جاتا ہے' تب اللہ ان پر عذاب واقع کر دیتا ہے جیسا کہ قوموں کے بارے میں سنت الٰہی ہے جب وہ اپنے رسول کو اس کے وطن سے نکال دیتی ہیں۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

قائم کیجئے نماز وقت ڈھلنے سورج کے، رات کے اندھیرے تک' اور نمازِ صبح بھی، بے شک نمازِ صبح ہے (وقت فرشتوں کے

مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

حاضر ہونے کا ○ اور کچھ حصہ رات سے بھی، پس تہجد پڑھیں آپ ساتھ اس (قرآن کے، یہ) زائد ہے آپ کیلئے قریب ہے کہ کھڑا کرے آپکو آپکا رب،

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

مقام محمود میں ○ اور کہیے اے میرے رب! داخل کر مجھے داخل کرنا سچا اور نکال مجھے نکالنا سچا

وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

اور کر میرے لئے اپنی طرف سے غلبہ مدد دینے والا ○ اور آپ کہہ دیجئے! آ گیا حق اور مٹ گیا

الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

باطل، بلاشبہ باطل ہے ہی مٹنے والا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ نماز کو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے اوقات میں مکمل طور پر قائم کریں ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ ''سورج ڈھلنے سے'' یعنی زوال کے بعد سورج کے مغربی افق کی طرف مائل ہو جانے سے لے کر' اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں ﴿اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ﴾ ''رات کے اندھیرے تک'' یعنی رات کی تاریکی میں اور اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں داخل ہیں۔ ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ ''اور فجر کا قرآن پڑھنا'' یعنی فجر کی نماز' اور اسے ''قرآن'' اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس میں قراءت قرآن کی طوالت مشروع ہے۔ یہ قراءت دوسری نمازوں کی قراءت سے زیادہ لمبی ہوتی ہے نیز فجر کی نماز میں قراءت کی فضیلت ہے کیونکہ اس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں فرض نمازوں کے اوقات پنجگانہ کا ذکر ہے ان اوقات میں پڑھی جانے والی نمازیں فرض ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وقت' صحت نماز کے لئے شرط ہے اور دخول وقت' نماز کے واجب ہونے کا سبب ہے کیونکہ اس نے ان اوقات میں نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے' نیز آیت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کو کسی عذر کی بناء پر جمع کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو نمازوں کے اوقات کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ اس سے نماز فجر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نماز فجر میں لمبی قراءت کی فضیلت ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ قراءت نماز کا رکن ہے کیونکہ جب عبادت کے کسی جز کو اس عبادت کے نام سے موسوم کر دیا جائے تو وہ اس جز کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ''اور رات کے ایک حصے میں آپ اس قرآن کے ساتھ جاگیے'' یعنی اس کے تمام اوقات میں نماز پڑھیے ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ ''آپ کے لیے زیادت ہے۔'' یعنی تاکہ رات کی یہ نماز آپ کے لئے زیادہ ثواب' بلند مراتب اور بلند درجات کی باعث ہو' بخلاف دیگر اہل ایمان کے' کہ ان کے لئے یہ نماز ان کی برائیوں کا کفارہ ہے۔ اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ پانچ نمازیں آپ پر اور تمام اہل ایمان پر فرض ہیں اور تہجد کی نماز خصوصی طور پر آپ پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تکریم بخشی کہ آپ کا وظیفہء عبادت دوسرے مومنوں سے زیادہ مقرر فرمایا تاکہ وہ آپ کی عظمت شان کو سمجھیں اور آپ اس کے ذریعے سے مقام محمود پر فائز ہوں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اولین و آخرین آپ کی ستائش کریں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے جب تمام

خلائق حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس شفاعت کروانے کے لئے جائیں گے تو یہ تمام رسول شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اور پیچھے ہٹ جائیں گے تب لوگ بنی آدم کے سردار حضرت رسول اکرم ﷺ سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتے ہوئے اس مقام کی ہولناکیوں سے ان کو نجات دے۔ نبی مصطفیٰ ﷺ اپنے رب کے پاس شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور آپ کو ایسے مقام پر فائز کرے گا کہ اولین و آخرین آپ پر رشک کریں گے اور یوں تمام مخلوق آپ کی احسان مند ہوگی۔

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ﴾ ’’کہہ دیجئے! اے میرے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا‘‘ یعنی میرا داخل ہونا اور میرا باہر نکلنا تیری اطاعت میں اور تیری رضا کے مطابق ہو تاکہ داخل ہونا اور باہر نکلنا اخلاص کو متضمن اور امر کے موافق ہو ﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴾ ’’اور کردے میرے لئے اپنی طرف سے مدد کرنے والی دلیل‘‘ یعنی مجھے اپنی طرف سے ان تمام امور پر حجت ظاہرہ اور برہان قاطع عطا کر، جن کو میں اختیار کروں اور جن کو میں ترک کروں۔ یہ بندے کا بلند ترین حال ہے جس پر اللہ تعالیٰ اسے فائز کرتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ بندے کے تمام احوال بہترین احوال ہوں جو اسے اپنے رب کے قریب کریں اور بندے کے پاس اس کے ہر حال پر ایک ظاہری دلیل ہو اور یہ چیز علم نافع، عمل صالح اور مسائل و دلائل کے علم کو متضمن ہے۔

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ ’’اور کہہ دیجئے! حق آ گیا اور باطل نکل بھاگا۔‘‘ حق وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف نازل فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے قول سے اس کا اعلان کر دیں کہ حق آ گیا ہے اس کے مقابلے میں کوئی چیز کھڑی نہیں رہ سکتی اور باطل چلا گیا، یعنی مضمحل ہو کر معدوم ہو گیا۔ ﴿ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ ’’بے شک باطل ہے نکل بھاگنے والا‘‘ یعنی یہ باطل کا وصف ہے مگر کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر باطل کے مقابلے میں حق موجود نہ ہو تو باطل عروج پا کر مروج ہو جاتا ہے تاہم جب حق آ جاتا ہے تو باطل مضمحل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہتی، اسی لئے باطل صرف انہی زمانوں اور انہی علاقوں میں رواج پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی بینات کے علم سے خالی ہوتے ہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن کہ وہ شفاء اور رحمت ہے مومنوں کے لئے۔

وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور نہیں زیادہ کرتا وہ ظالموں کو مگر خسارے ہی میں ○

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴾ ''اور اتارتے ہیں ہم قرآن میں سے جس میں شفا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت اور گناہ گاروں کا تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے''، یعنی قرآن کریم شفا اور رحمت پر مشتمل ہے اور یہ شفا اور رحمت ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اہل ایمان کے لئے ہے جو اس کی آیات کی تصدیق کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ رہے ظالم جو اس کی تصدیق نہیں کرتے یا اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو اس کی آیات ان کے خسارے ہی میں اضافہ کرتی ہیں کیونکہ ان پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ پس وہ شفا جس کو قرآن متضمن ہے وہ قلوب کے لئے شفائے عام ہے اور قلوب کو شبہات، جہالت، آراء فاسدہ، انحراف مذموم اور گھٹیا مقاصد جیسے امراض کو دور کرتی ہے کیونکہ قرآن علم یقینی پر مشتمل ہے جو ہر قسم کی جہالت اور تمام شبہات کو زائل کر دیتا ہے۔ قرآن وعظ و تذکیر پر مشتمل ہے جو ہر شہوت کو ختم کر دیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت ہو۔ قرآن ابدان کے آلام و امراض سے شفا کو بھی متضمن ہے۔

رہی رحمت، تو قرآن کے اندر ایسے اسباب اور وسائل ذکر کئے گئے ہیں جن کو اختیار کرنے کی قرآن ترغیب دیتا ہے۔ جب بندہ ان کو اختیار کر لیتا ہے تو بے پایاں رحمت، ابدی سعادت، دنیاوی اور اخروی ثواب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ

اور جب انعام کرتے ہیں ہم اوپر انسان کے تو وہ اعراض کرتا ہے اور دور کر لیتا ہے وہ پہلو اپنا اور جب پہنچتی ہے اسے

الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿٨٣﴾

تکلیف تو ہو جاتا ہے وہ ناامید ○

انسان جہاں بھی ہے یہ اس کی فطرت ہے، سوائے اس کے جس کی اللہ راہنمائی فرمائے، کہ جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں تو وہ ان نعمتوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ان پر اتراتا ہے، حق سے روگردانی کرتا ہے، اینٹھتا ہے اور اپنے رب سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے نہ اس کو یاد کرتا ہے۔ ﴿ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ ﴾ ''اور جب اس کو برائی پہنچتی ہے'' مثلاً بیماری وغیرہ ﴿ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴾ ''تو مایوس ہو جاتا ہے۔'' یعنی بھلائی سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے، رب سے اپنی امید منقطع کر لیتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جس حالت میں ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دیتا ہے وہ نعمتیں میسر ہونے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھک جاتا ہے اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور جب وہ سختی اور مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے عافیت اور اس مصیبت کے دور ہونے کی امید رکھتا ہے اور اس سے اس کی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾ ع ۹

کہہ دیجئے! ہر شخص عمل کرتا ہے اوپر اپنے طریقے کے، پس تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو، جو ہے زیادہ سیدھے راستے پر ○

﴿قُلْ كُلٌّ﴾ ”کہہ دیجیے ہر ایک“ یعنی لوگوں میں سے۔ ﴿يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ ”کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر“ یعنی اس طریقے پر جو اس کے احوال کے لائق ہوتا ہے۔ اگر وہ نیک بندوں میں سے ہیں تو ان کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کا عمل رب کائنات کی رضا کی خاطر ہوتا ہے اور اگر وہ نیک اور ابرار لوگوں کی بجائے ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے الگ ہو گیا ہو تو ان کے لئے صرف وہی عمل مناسب ہوتا ہے جو اس نے مخلوق کو خوش کرنے کے لئے کیا ہو اور ان کے موافق صرف وہی عمل ہوتا ہے جو ان کی اغراض کے موافق ہو۔ ﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ ”پس تمہارا رب اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہے جو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور کون ہے جو صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ اسے اپنے حال پر چھوڑ کر ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

اور پوچھتے ہیں وہ (یہودی) آپ سے، روح کی بابت، کہہ دیجیے، روح امر ہے میرے رب کا اور نہیں دیئے گئے تم

مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۵

علم سے مگر بہت ہی تھوڑا ○

یہ آیت کریمہ ایسے لوگوں کو باز رکھنے کو متضمن ہے جو ایسے سوالات پوچھتے ہیں جن سے ان کا مقصد محض تعنّت اور مسئول کو لاجواب کرنا ہوتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ اہم امور کے بارے میں سوال نہیں کرتے۔ پس وہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کا تعلق مخفی امور سے ہے۔ کوئی شخص بھی روح کا وصف اور اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اس علم میں بھی قاصر ہیں جس کے وہ محتاج ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ وہ ان کے سوال کا یہ جواب دیں۔ ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ ”کہہ دیجیے! روح میرے رب کے امر سے ہے“ یعنی من جملہ مخلوقات سے ہے جن کے بارے میں میرے رب نے حکم دیا کہ ”ہو جاؤ“ اور وہ وجود میں آ گئیں، لہٰذا ان کے بارے میں سوال کرنا تمہارے لئے کوئی زیادہ فائدہ مند نہیں جبکہ ان کے علاوہ دیگر امور میں بھی تمہارا علم معدوم ہے۔ اس آیت مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب مسئول سے کسی معاملے میں سوال کیا جائے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ (لایعنی) سوال کا جواب دینے سے گریز کرے جو سائل نے پوچھا ہے اور اس امر میں اس کی راہنمائی کرے جس کا وہ محتاج ہے اور جو اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

اور البتہ اگر ہم چاہیں تو یقیناً لے جائیں اس چیز (قرآن) کو جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف، پھر نہ پائیں گے آپ اپنے لئے اس (قرآن کے لانے) پر

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی ○ مگر مہربانی سے آپ کے رب کی، بلاشبہ فضل اس کا ہے آپ پر بہت بڑا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن اور وحی جسے اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے وہ آپ پر اور بندوں پر رحمت اور احسان ہے قرآن اور وحی علی الاطلاق رسول اللہ ﷺ کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ فضل وکرم ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا...... پس جس ہستی نے آپ پر یہ فضل و کرم کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ اسے واپس لے لے پھر آپ کوئی ایسی ہستی نہیں پائیں گے جو یہ فضل وکرم واپس لا سکے اور آپ کو کوئی ایسا وکیل اور کارساز نہیں ملے گا جو اللہ کے حضور اس بارے میں بات کر سکے۔ پس آپ کو اس بارے میں خوش ہونا چاہیے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہنی چاہئیں اور تکذیب کرنے والوں کی تکذیب اور گمراہوں کا استہزا و تمسخر آپ کو غم زدہ نہ کرے۔ اس لئے کہ لوگوں کے سامنے جلیل ترین نعمت پیش کی گئی انہوں نے اسے ٹھکرا دیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت حقیر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا

کہہ دیجیے! البتہ اگر جمع ہو جائیں (تمام) انسان اور جن اوپر اس بات کے کہ (بنا) لائیں وہ مثل اس قرآن کے تو نہ

يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

لا سکیں گے وہ مثل اس کے اگرچہ ہو ان کا بعض، بعض کا مددگار ہی ○

یہ اس بات کی قطعی دلیل اور واضح برہان ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں وہ صحیح اور صداقت پر مبنی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام جنوں اور انسانوں کو معارضے کی دعوت دی ہے کہ وہ اس جیسا قرآن بنا لائیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ بھی فرما دیا کہ وہ اس جیسا قرآن نہیں لا سکتے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کر لیں۔ یہ سب کچھ اسی طرح واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔ جھٹلانے والوں کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ وہ کسی طریقے سے اس دعوت کو جھوٹا ثابت کریں جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور وہ لغت عرب کے ماہر اور فصاحت و بلاغت کے مالک تھے۔ اگر ان میں اس دعوت کا مقابلہ کرنے کی ذرا سی بھی اہلیت ہوتی تو وہ ضرور اس کا مقابلہ کرتے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے طوعاً و کرہاً اس بارے میں اپنی بے بسی کو تسلیم کر لیا اور قرآن کے معارضے سے عاجز آ گئے...... اور وہ مخلوق جو مٹی سے پیدا کی گئی، جو ہر پہلو سے ناقص ہے، جو علم، قدرت، ارادہ اور مشیت سے محروم ہے، اس کا کلام اور کمال اس کے رب کا عطا کردہ ہے، رب کائنات کے کلام کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے، جو تمام بھید کو جاننے والا ہے، جو کمال مطلق، حمد مطلق اور مجد عظیم کا مالک ہے، وہ ایسی ہستی ہے کہ اگر سات سمندروں کو روشنائی اور تمام درختوں کے قلم بنا دیے جائیں، تو تمام روشنائی ختم ہو جائے گی

اور قلم فنا ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی ختم نہ ہوں گے۔

پس جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں، اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کے مماثل نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی...... جو کہ اس کی صفت ہے...... بے مثل ہے۔ اس کی ذات، اس کے اسماء، اس کی صفات اور اس کے افعال میں کوئی چیز اس کی مثیل نہیں۔ تب ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو مخلوق کے کلام کو خالق کے کلام کے مشابہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اسے اپنے دل سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ

اور البتہ تحقیق پھیر پھیر کر بیان کی ہے ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر ایک مثال، پس انکار کیا اکثر لوگوں نے

اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ﴿۹۰﴾ اَوۡ

مگر کفر کرنے سے (نہیں) ○ اور کہا انہوں نے، ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم تجھ پر، یہاں تک کہ جاری کرے تو ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ ○ یا

تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِيۡرًا ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ

ہو واسطے تیرے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا، پھر جاری کر دے تو نہریں اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) جاری کرنا ○ یا گرا دے تو

السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓٮِٕكَةِ قَبِيۡلًا ﴿۹۲﴾ اَوۡ يَكُوۡنَ

آسمان، جیسا کہ دعویٰ کرتا ہے تو، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے، یا لے آ تو اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے ○ یا ہو

لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ

تیرے لئے ایک گھر سونے کا، یا چڑھ جا تو آسمان میں، اور ہرگز نہیں مانیں گے ہم تیرے چڑھ جانے کو، یہاں تک کہ اتار لائے تو

عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ ع وَمَا مَنَعَ ۱۰ ع ۱۰

ہم پر ایک کتاب کہ ہم پڑھیں اسے، آپ کہہ دیجئے! پاک ہے میرا رب، نہیں ہوں میں مگر صرف ایک بشر (اور) رسول ○ اور نہیں منع کیا

النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰٓى اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾

لوگوں کو (اس سے) کہ ایمان لائیں وہ، جب آ گئی ان کے پاس ہدایت، مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا، کیا بھیجا ہے اللہ نے ایک بشر کو رسول (بنا کر)؟ ○

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓٮِٕكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَٮِٕنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ

کہہ دیجئے! اگر ہوتے زمین میں فرشتے، وہ چلتے (پھرتے) اطمینان سے تو البتہ نازل کرتے ہم ان پر آسمان سے

مَلَكًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ؕ

کوئی فرشتہ ہی رسول (بنا کر) ○ کہہ دیجئے! کافی ہے اللہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان،

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ﴿۹۶﴾

بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خوب خبردار، خوب دیکھنے والا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ﴾ ’’اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی واسطے لوگوں کے اس قرآن میں ہر مثال‘‘ یعنی ہم نے اس میں مختلف انواع کے مواعظ اور مثالیں بیان کی ہیں اور ان معانی و مضامین کو بار بار دہرایا ہے لوگ جن کے ضرورت مند ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور تقویٰ اختیار کریں مگر ان میں سے بہت کم لوگوں نے نصیحت پکڑی ہے‘ سوائے ان لوگوں کے‘ جن کے بارے میں پہلے ہی سے سعادت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق کے ذریعے سے ان کی اعانت فرمائی مگر اکثر لوگوں نے اس نعمت کی ناقدری کی جو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق معجزات و آیات کا مطالبہ کر کے تعنت کا مظاہرہ کیا اور وہ اپنے نفس کی طرف سے‘ جو ظالم اور جاہل ہے‘ آیات گھڑتے ہیں۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ سے‘ جو یہ قرآن لے کر مبعوث ہوئے ہیں جو ہر قسم کی دلیل اور برہان پر مشتمل ہے‘ کہتے ہیں: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴾ ’’ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ‘‘ یعنی بہتی ہوئی نہریں جاری کر دے۔

﴿ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ ﴾ ’’یا ہو تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا‘‘ جن کی مدد سے تو بازاروں میں چلنے پھرنے اور آنے جانے سے مستغنی ہو جائے۔ ﴿ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا ﴾ ’’یا گرا دے ہم پر آسمان‘ جیسا کہ تو کہا کرتا ہے‘ ٹکڑے ٹکڑے کر کے‘‘ یعنی عذاب سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ﴿ اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِیْلًا ﴾ ’’یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے‘‘ یعنی تمام فرشتے‘ یا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام فرشتے روبرو آ جائیں اور وہ تیری نبوت کی گواہی دیں۔ ﴿ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ﴾ ’’یا ہو تیرے واسطے گھر سنہرا‘‘ یعنی سونے وغیرہ سے منقش اور آراستہ ﴿ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ﴾ ’’یا تو آسمان پر چڑھ جا‘‘ یعنی حسی طور پر آسمان پر چڑھ جائے۔ ﴿ وَ ﴾ ’’اور‘‘ اس کے باوجود ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾ ’’ہم نہیں مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو‘ یہاں تک کہ لائے تو ہمارے پاس کتاب جسے ہم پڑھیں‘‘ چونکہ یہ کلام محض تعنت اور رسول کو بے بس کرنے کی خواہش اور داعیہ ہے‘ یہ احمق ترین اور ظالم ترین لوگوں کا کلام ہے جو حق کو ٹھکرا دینے کو متضمن ہے‘ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے حضور بے ادبی اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آپ یہ آیات خود تصنیف کرتے ہیں...... اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اللہ کی تنزیہ بیان کریں۔ ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ﴾ ’’کہہ دیجئے! پاک ہے میرا رب‘‘ یعنی جو کچھ تم اللہ کے بارے میں کہتے ہو وہ اس سے بہت بلند اور بالاتر ہے۔ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے احکام اور آیات ان کی خواہشات نفس اور گمراہ آراء و نظریات کے تابع ہوں۔ ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ ’’میں نہیں ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا‘‘ میرے ہاتھ میں کچھ بھی اختیار نہیں...... یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر اکثر لوگ ایمان نہ لائے کیونکہ ان کی

طرف جو رسول اور نبی مبعوث کیے گئے وہ سب انہی کی جنس میں سے تھے، یعنی وہ سب بشر تھے۔

یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ان کی طرف انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا کیوں کہ وہ فرشتوں سے بلاواسطہ احکام وصول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے فرمایا: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ﴾ ”کہہ دیجیے! اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے، بستے“ یعنی اگر وہ فرشتوں کو دیکھ لینے اور ان سے احکام اخذ کرنے کی طاقت رکھتے ہوتے ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ ”تو اتارتے ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر۔“ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ ”کہہ دیجیے اللہ کافی ہے بطور گواہ میرے اور تمہارے درمیان، بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار، دیکھنے والا۔“ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول کے لئے گواہی یہ ہے کہ اس نے آیات اور معجزات کے ذریعے سے اس کی تائید کی اور ان لوگوں کے خلاف آپ کو فتح و نصرت سے نوازا جنہوں نے آپ سے عداوت کی۔ اگر آپ نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر آپ کی رگ جاں کاٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ باخبر اور دیکھنے والا ہے اور بندوں کے احوال میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

اور جس کو ہدایت دے اللہ، پس وہی ہے ہدایت پانے والا، اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ان کیلئے کوئی دوست سوائے اس (اللہ) کے،

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ

اور ہم اکٹھا کریں گے انکو دن قیامت کے انکے منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہونگے، ٹھکانا انکا جہنم ہے،

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (۹۷) ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا

جب وہ بجھنے لگے گی تو زیادہ کر دیں گے ہم ان کیلئے آگ کا بھڑکانا ○ یہ سزا ہے انکی بوجہ اسکے کہ بیشک انہوں نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے اور کہا، کیا جب

كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (۹۸) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ

ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ تو کیا بلاشبہ ہم البتہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے پیدا کر کے نئے سرے سے؟ ○ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بیشک اللہ،

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا

جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، قادر ہے اوپر اسکے کہ وہ پیدا کرے مثل انکی، اور مقرر کیا اس نے ان کیلئے ایک وقت (معین)، کہ

لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (۹۹) قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ

نہیں شک اس میں، پس انکار کیا ظالموں نے، مگر کفر کرنے سے (نہیں) ○ کہہ دیجیے! اگر تم اختیار رکھتے خزانوں کا رحمت کے

رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (۱۰۰) ع

میرے رب کی، تو اس وقت ضرور روک لیتے تم (ان کو) خرچ ہو جانے کے ڈر سے، اور ہے انسان نہایت ہی بخیل ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جسے ہدایت

النصف

ع ۱۱

سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے آسان راہیں میسر کر دیتا ہے اور اس کو تنگی سے بچا لیتا ہے اور وہی درحقیقت ہدایت یافتہ ہے اور جسے گمراہ کرتا ہے اسے اس کے نفس کے حوالے کر کے اس سے الگ ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا اور ان کا اس روز کوئی حمایتی نہیں ہوگا جو ان کی اللہ کے عذاب کے مقابلے میں مدد کر سکے جب اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ان کے چہروں کے بل، نہایت رسوائی کی حالت میں اندھے اور گونگے بنا کر اکٹھے کرے گا وہ دیکھ سکیں گے نہ بول سکیں گے۔ ﴿مَاْوٰىهُمْ﴾ ’’ان کا ٹھکانا‘‘ یعنی ان کی جائے قرار اور ان کا گھر ﴿جَهَنَّمُ﴾ ’’جہنم ہے‘‘ جہاں ہر قسم کا حزن وغم اور عذاب جمع ہے۔ ﴿كُلَّمَا خَبَتْ﴾ ’’جب وہ بجھنے لگے گی‘‘ ﴿زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ’’تو ہم ان پر اس آگ کو اور بھڑکا دیں گے۔‘‘ عذاب ان پر سے منقطع نہ ہوگا۔ ان کو موت آئے گی نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کی جزا دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے اور قیامت کے روز پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے بارے میں تمام انبیاء و رسل نے آگاہ فرمایا اور تمام آسمانی کتابوں نے اس کے برپا ہونے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنے رب کو عاجز قرار دے کر اس کی قدرت کاملہ کا انکار کر دیا۔

﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ (بنی اسرآءیل: ۱۷/۴۹) ’’اور انہوں نے کہا، جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چورا چورا، کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے بنا کر‘‘ یعنی یہ ہو ہی نہیں سکتا...... وہ یہ بات اس لئے کہتے تھے کہ ان کی فاسد عقل کے مطابق ایسا ہونا بہت بعید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین بنائے‘‘ جو کہ انسانوں کی تخلیق سے زیادہ مشکل امر ہے۔ ﴿قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ’’وہ قادر ہے کہ پیدا کرے ان جیسوں کو‘‘ کیوں نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے ﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ’’اور اس نے ان کے لئے ایک مدت مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں‘‘ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس گھڑی کو اچانک لے آئے اور اس بات کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی بعد موت پر دلائل و براہین قائم کر دیے ہیں۔ ﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ ’’پھر بھی نہیں رہا جاتا ظالموں سے ناشکری کیے بغیر‘‘ ظلم کرتے اور افترا کرتے ہوئے۔

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾ ’’کہہ دیجئے! اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے‘‘ جو کبھی ختم ہوتے ہیں نہ تباہ ہوتے ہیں ﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ ’’تو تم ضرور بند کر رکھتے، اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں‘‘ یعنی اس خوف سے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہو کہیں ختم نہ ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا ختم ہونا محال ہے مگر بخل اور کنجوسی انسان کی جبلت میں رکھ دیے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ

اور البتہ تحقیق دیے تھے ہم نے موسیٰ کو نو معجزے واضح پس پوچھ لیجئے آپ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ (موسیٰ) انکے پاس تو کہا اس سے

فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا
فرعون نے، بیشک میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھے اے موسیٰ! سحر زدہ ○ موسیٰ نے کہا، البتہ تحقیق جانتا ہے تو کہ نہیں نازل کیا انکو، مگر
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ
رب نے آسمانوں اور زمین کے، واسطے دکھانے کے، اور بیشک میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھے اے فرعون! ہلاک کیا ہوا ○ پس ارادہ کیا فرعون نے،
اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
یہ کہ اکھاڑ دے انکو اس زمین سے، تو غرق کر دیا ہم نے اسے، اور ان لوگوں کو جو ساتھ تھے اس کے سب کو ○ اور کہا ہم نے بعد اس کے
لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ ط
بنی اسرائیل سے رہو تم اس زمین میں، پھر جب آئے گا وعدہ آخرت کا تو لے آئیں گے ہم تم (سب) کو باہم اکٹھا ○

یعنی اے رسول! کہ جس کی آیات و معجزات کے ذریعے سے تائید کی گئی ہے...... آپ پہلے رسول نہیں ہیں جس کی لوگوں نے تکذیب کی ہم نے آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) کو رسول بنا کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا' ہم نے انہیں عطا کیے ﴿ تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ ''نو معجزات'' جو شخص حق کا قصد رکھتا ہے اس کے لئے ان میں ایک ہی معجزہ کافی ہے...... جیسے اژدہا' عصا' طوفان' ٹڈی دل' جوئیں' مینڈک' خون' ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا۔ اگر آپ کو اس بارے میں کوئی شک ہے ﴿ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ ﴾ ''تو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں جب آئے موسیٰ ان کے پاس تو (ان معجزات کے باوجود) فرعون نے کہا: ﴿ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴾ ''اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں' تجھ پر ضرور جادو کر دیا گیا ہے۔'' ﴿ قَالَ ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ ''تجھے علم ہے'' ﴿ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''نہیں نازل کیا ان معجزات کو'' ﴿ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ ''مگر آسمان و زمین کے رب نے سمجھانے کو'' اپنی طرف سے بندوں کے لئے۔ پس تیرا یہ قول حقیقت پر مبنی نہیں۔ تیرا یہ قول اپنی قوم میں ابہام پیدا کرنے اور حق و صواب کی راہ سے ہٹانے کے لئے ہے۔ ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ ''اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو جائے گا۔'' یعنی اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو سخت مبغوض' مذموم' دھتکارا ہوا اور اللہ کے عذاب میں پھینکا جانے والا ہے۔ ﴿ فَاَرَادَ ﴾ پس فرعون نے ارادہ کیا ﴿ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ ''کہ وہ ان کو اس زمین (مصر) سے نکال دے۔'' یعنی بنی اسرائیل کو سرزمین مصر سے نکال کر جلاوطن کر دے ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴾ ''پس ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا'' اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴾ ''اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا' رہو تم زمین میں' پس جب آخرت کا وعدہ

آئے گا' تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔'' یعنی تم سب کو لے کر آئیں گے اور پھر ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا دیں گے۔

وقف لازم

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

اور ساتھ حق کے نازل کیا ہے ہم نے اسکو، اور ساتھ حق کے وہ نازل ہوا، اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو مگر خوشخبری دینے اور ڈرانے والا ○

یعنی ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ' اپنے بندوں کے لئے امر ونہی اور ان کے عذاب وعقاب کی خاطر نازل کیا ہے ﴿ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ﴾ ''اور حق کے ساتھ اترا'' یعنی یہ قرآن صدق وعدل اور شیطان مردود کے ہر وسوسہ سے محفوظ نازل ہوا ہے ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا ﴾ ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری دینے والا بنا کر'' یعنی ان لوگوں کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری دینے کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ﴿ وَّنَذِيْرًا ﴾ ''اور ڈرانے والا'' یعنی انہیں دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرانے کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس سے ان امور کا بیان لازم آتا ہے جو تبشیر وانذار پر مبنی ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا

اور قرآن جدا جدا (نازل) کیا ہم نے اسکو تاکہ آپ پڑھیں اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر، اور اتارا ہم نے اسے اتارنا (تھوڑا تھوڑا) ○ کہہ دیجئے! ایمان لاؤ تم

بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ

ساتھ اس کے یا نہ ایمان لاؤ، بے شک وہ لوگ جو دیئے گئے علم پہلے اس سے، جب پڑھا جاتا ہے ان پر تو وہ گر پڑتے ہیں

لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے ○ اور وہ کہتے ہیں، پاک ہے ہمارا رب، بلاشبہ ہے وعدہ ہمارے رب کا (پورا) کیا ہوا ○

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة

السجدة ۴

اور وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے، اور زیادہ کرتا ہے (قرآن) ان کو گڑگڑانے میں ○

یعنی ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا ہے جو ہدایت اور گمراہی' حق اور باطل کے درمیان تفریق کرتا ہے ﴿ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ﴾ ''تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں'' تاکہ وہ اس کے معانی میں تدبر کریں اور اس میں سے اس کے مختلف علوم کا استخراج کریں۔ ﴿ وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴾ ''اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔'' یعنی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے' ٹکڑوں میں تیئس (۲۳) سال کے عرصہ میں نازل کیا ہے۔ ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴾ (الفرقان: ۲۵/۳۳) ''اور وہ جب کبھی آپ کے پاس کوئی پیچیدہ بات لے کر آئے تو ہم نے حق کے ساتھ اس کا جواب دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کو کھول دیا۔'' پس جب حق واضح ہو جائے جس میں کسی بھی پہلو سے کوئی شک وشبہ نہیں ﴿ قُلْ ﴾ تو ان

لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا ﴿اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ ”تم اس کے ساتھ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ“ اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی حاجت نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس تکذیب کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا کیونکہ تمہارے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی بندے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع عطا کیا ہے۔ ﴿اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ ”جب پڑھا جاتا ہے ان پر، تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ کرتے ہوئے“ یعنی اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اس کے سامنے نہایت عاجزی سے سرافگندہ ہوتے ہیں۔

﴿وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾ ”اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب“ وہ ان تمام صفات سے پاک اور منزہ ہے جو اس کے جلال کے لائق نہیں اور جو مشرکین نے ان کی طرف منسوب کر رکھی ہیں ﴿اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا﴾ ”اور بے شک ہمارے رب کا وعدہ“ یعنی اس نے زندگی بعد موت اور اعمال کی جزا کا جو وعدہ کر رکھا ہے۔ ﴿لَمَفْعُوْلًا﴾ ”ہونے والا ہے“ اس میں کوئی وعدہ خلافی ہے نہ اس میں کوئی شک ہے۔ ﴿وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ﴾ ”اور گرتے ہیں وہ ٹھوڑیوں پر“ یعنی منہ کے بل ﴿یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ﴾ ”روتے ہوئے اور زیادہ کرتا ہے ان کو“ یعنی قرآن ﴿خُشُوْعًا﴾ ”خشوع خضوع میں“ یہ اہل کتاب کے ان مومنین کی مانند ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اور اس کے بعد ایمان لائے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا
کہہ دیجئے! پکارو تم اللہ یا پکارو تم رحمٰن (کہہ کر) جس (نام) کے ساتھ پکارو تم، سو اسی کیلئے ہیں (سب) نام بہت اچھے، اور مت
تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ
بلند آواز کریں ساتھ اپنی نماز کے، اور نہ بہت آہستہ (کریں آواز) ساتھ اسکے، اور تلاش کریں درمیان اسکے راستہ ○ اور کہہ دیجئے! حمد
لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ
اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد، اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں، اور نہیں ہے اس کا
وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع
کوئی حمایتی بوجہ ذلت (کمزوری) کے، اور بڑائی بیان کیجئے اس (اللہ) کی خوب بڑائی بیان کرنا ○

۱۲ ع ۱۱ ۱۲

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے: ﴿ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ ”تم پکارو اللہ کو یا پکارو رحمٰن کو“ یعنی ان دونوں ناموں میں سے چاہے جس نام سے پکارو ﴿اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ ”جو کہہ کر پکارو گے پس اسی کے ہیں سب نام اچھے“ یعنی اس کا کوئی اسم مبارک ایسا نہیں جو اچھا نہ ہو اور اس کو اس نام سے پکارنے سے روکا گیا ہو۔ تم جس نام سے بھی اسے پکارو گے اس سے مقصد حاصل ہو جائے گا۔ مگر مناسب یہی

ہے کہ اسے ہر مطلوب کی مناسبت سے، مطلوب کے مطابق نام سے پکارا جائے۔ ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ ''اور پکار کر نہ پڑھیں اپنی نماز'' یعنی بہت بلند آواز سے قراءت نہ کیجیے ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ ''اور نہ چپکے سے پڑھیں'' یعنی ان دونوں امور سے بچا جانا چاہیے۔ زیادہ بلند آواز میں قراءت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ مشرکین قرآن مجید سن کر برا بھلا کہیں گے اور قرآن لانے والے کو سب و شتم کا نشانہ بنائیں گے اور بہت نیچی آواز میں قرآن پڑھنے سے اس شخص کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا جو بھی آواز میں قرآن سننا چاہتا ہے۔ ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور ڈھونڈ لیں اس کے درمیان راستہ'' یعنی بہت زیادہ بلند آواز اور بہت زیادہ پست آواز کے بین بین اور ان دونوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کیجیے۔

﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ ''اور کہہ دیجیے! تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے'' جو ہر لحاظ سے کمال، مدح و ثنا اور حمد و مجد کا مالک اور ہر آفت اور نقص سے پاک ہے۔ ﴿ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ﴾ ''جو نہیں رکھتا اولاد اور نہیں اس کا کوئی شریک بادشاہی میں'' بلکہ تمام تر اقتدار کا مالک اللہ واحد و قہار ہے، تمام عالم علوی اور عالم سفلی کے رہنے والے سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ﴾ ''اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار عاجزی کے وقت'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا سرپرست نہیں بناتا کہ وہ اس کے تعاون کے ذریعے سے عزت و غلبہ حاصل کرے۔ پس وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے، وہ زمین اور آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ مگر وہ اپنے بندوں پر احسان کرتے اور ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپتے ہوئے ان کو اپنا دوست بناتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (البقرۃ: ٢٥٧/٢) ''جو لوگ ایمان لائے، اللہ ان کا دوست ہے جو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔'' ﴿ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور اس کی بڑائی بیان کر بڑا جان کر'' یعنی اس کے عظیم اوصاف کے بارے میں خبر دے کر، اس کے اسماء حسنیٰ کے ذریعے سے حمد و ثنا کے ساتھ، اس کے افعال مقدسہ کے ذریعے سے ستائش کے ساتھ، صرف اس کے لئے عبادت کے ذریعے سے اس کی عظمت و جلال بیان کرتے ہوئے اس کی تعظیم و جلال کا اعتراف کیجیے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اخلاصِ دین صرف اسی کے لئے ہے۔

تفسیر سورۃ الکہف

سُوْرَةُ الْكَهْفِ
(١٨) مَكِّيَّةٌ (٦٩)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

اٰيَاتُهَا ١١٠
رُكُوْعَاتُهَا ١٢

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ سکتۃ ① قَيِّمًا

تمام تعریف اللہ ہی کیلئے ہے، جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب، اور نہیں رکھی اس میں کوئی کجی ○ اس حال میں کہ وہ سیدھی ہے،

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

تا کہ ڈرائے وہ عذاب سخت سے، اس (اللہ) کی طرف سے، اور (تا کہ) وہ خوشخبری دے مومنوں کو، وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں نیک،

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿٢﴾ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿٣﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ

بیشک ان کیلئے اجر ہے اچھا ○ اس حال میں کہ وہ رہنے والے ہونگے اس میں ہمیشہ ہی ○ اور (تا کہ) وہ ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا، بنائی ہے

اللّٰهُ وَلَدًا ۙ﴿٤﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ

اللہ نے اولاد ○ نہیں ہے انکو ساتھ اس (دعویٰ) کے کوئی علم، اور نہ انکے باپ دادا ہی کو، بڑی ہی خطرناک بات ہے جو نکلتی ہے

مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

ان کے مونہوں سے، نہیں کہتے وہ، مگر جھوٹ ہی ○ پس شاید کہ آپ ہلاک کرنے والے ہیں اپنے آپ کو

عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿٦﴾

پیچھے ان کے، اگر نہ ایمان لائیں وہ ساتھ اس بات (قرآن) کے، غم کے مارے ○

حمد سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے سے، جو کہ صفت کمال ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی اور دینی و دنیاوی نعمتوں کے اظہار و اعتراف کے ذریعے سے اس کی ثنا بیان کرنا...... اور علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی جلیل ترین نعمت اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد بیان کی اور اس ضمن میں بندوں کے لئے اس امر کی طرف راہنمائی ہے کہ وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں کہ اس نے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا اور کتاب نازل کی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی دو خوبیاں بیان فرمائیں جو اس بات پر مشتمل ہیں کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے کامل ہے۔ یہ دو صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(١) اس کتاب عظیم سے کجی کی نفی۔

(٢) اس بات کا اثبات کہ یہ کتاب کجی دور کرنے والی اور راہ راست پر مشتمل ہے۔

کجی کی نفی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ کتاب میں کوئی جھوٹی خبر ہو نہ اس کے اوامر و نواہی میں ظلم کا کوئی پہلو ہو اور نہ کوئی عبث بات ہو۔

استقامت کا اثبات اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ کتاب جلیل ترین امور کا حکم دیتی اور جلیل ترین خبروں سے آگاہ کرتی ہے اور یہ وہ خبریں ہیں جو قلوب انسانی کو معرفت الٰہی اور ایمان و عقل سے لبریز کر دیتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کے افعال کے بارے میں خبریں، نیز گزرے ہوئے اور آئندہ آنے والے غیبی معاملات کی خبریں۔ اس کتاب کی استقامت کا اثبات اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اوامر و نواہی نفوس

انسانی کا تزکیہ ان کی نشوونما اور ان کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ یہ اوامر و نواہی کامل عدل و انصاف' اخلاص اور اکیلے اللہ رب العالمین کے لئے عبودیت پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب' جس کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کئے گئے ہیں' اس بات کی مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نازل کرنے پر اپنی حمد بیان کرے اور اپنے بندے سے اپنی حمد و ستائش کا مطالبہ کرے۔

﴿لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ ''تاکہ وہ اپنی طرف سے ڈرائے سخت عذاب سے'' یعنی اس قرآن کریم کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود عذاب سے ڈرائے' یعنی اس شخص کو اپنی اس قضا و قدر سے ڈرائے جو اس کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کے لئے ہے۔ یہ دنیاوی عذاب اور اخروی عذاب دونوں کو شامل ہے' نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو خوف دلایا ہے اور ان کو ان امور سے ڈرایا ہے جو ان کے لئے نقصان اور ہلاکت کا باعث ہیں۔ جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آگ کا وصف بیان کیا تو فرمایا: ﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ﴾ (الزمر : ١٦/٣٩) ''اللہ اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرو۔'' پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ان لوگوں کے لئے سخت سزائیں مقرر کر رکھی ہیں جو ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں' ان سزاؤں کو ان کے سامنے بیان کر دیا اور ان اسباب کو بھی واضح کر دیا جو ان سزاؤں کے موجب ہیں۔

﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور خوشخبری دیجئے مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی' تاکہ اس کے ذریعے سے' نیز اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے' ان لوگوں کو خوشخبری سنائے جو اس کتاب پر ایمان لا کر اپنے ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔ پس اس نے اپنے بندوں پر نیک اعمال واجب کئے اور اس سے مراد واجبات و مستحبات پر مشتمل نیک اعمال ہیں' جن میں اخلاص اور اتباع رسول جمع ہوں۔ ﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ ''کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے'' اس سے مراد وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح پر مترتب کیا ہے۔ سب سے بڑا اور جلیل ترین ثواب' اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ہے' جس کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے تصور میں اس کا گزر ہوا ہے...... اور اس اجر کو ''حسن'' کے وصف کے ساتھ موصوف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں کسی بھی لحاظ سے کوئی تکدر نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اس میں کسی قسم کا تکدر پایا جائے تو یہ اجر مکمل طور پر حسن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہ یہ اچھا اجر ہے۔ ﴿مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ ''وہ اس میں ابدالآباد تک رہیں گے''۔ یہ اجر و ثواب کبھی ان سے زائل ہوگا نہ یہ اس سے دور کئے جائیں گے بلکہ ان کی یہ نعمتیں ہر وقت بڑھتی ہی رہیں گی۔ تبشیر کا ذکر تقاضا کرتا ہے کہ ان اعمال کا ذکر کیا جائے جو بشارت کے موجب ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم تمام اعمال صالحہ

پر مشتمل ہے جو اس اجروثواب کا سبب ہیں جس سے نفس خوش ہوں گے اور روحوں کو فرحت حاصل ہو گی۔

﴿وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا﴾ ''اور ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا اللہ اولاد رکھتا ہے'' یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین، جن کا یہ بدترین قول ہے اور ان کا یہ قول کسی علم و یقین پر مبنی نہیں ہے۔ وہ اس کے بارے میں خود کوئی علم رکھتے ہیں نہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس کوئی علم تھا جن کی یہ تقلید کرتے ہیں، بلکہ یہ تو محض ظن و گمان اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ﴾ ''بڑی ہے بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے'' یعنی ان کی اس بات کی قباحت بہت زیادہ اور اس کی سزا بہت سخت ہے، اور اس شخص کے اس قول کی قباحت سے بڑھ کر اور کون سی قباحت ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ نسبت اس کی ذات میں نقص اور خصائص ربوبیت و الوہیت میں غیر اللہ کی شراکت اور اس پر بہتان طرازی کی مقتضی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ (الانعام: ٢١/٦) ''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا: ﴿اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا﴾ ''یہ لوگ محض جھوٹ بولتے ہیں'' جس میں صداقت کا ذرہ بھر شائبہ نہیں۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح بتدریج ان کے قول کا ابطال کیا ہے اور کم تر باطل چیز سے زیادہ باطل چیز کی طرف انتقال کیا ہے، چنانچہ پہلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ ﴿مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمۡ﴾ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بلا علم اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا ممنوع اور باطل ہے پھر دوسرے مرحلے میں فرمایا کہ یہ انتہائی قبیح قول ہے، فرمایا: ﴿کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ﴾ پھر قباحت کے تیسرے مرتبے میں فرمایا کہ یہ محض جھوٹ ہے جو صدق کے منافی ہے۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ خلائق کی ہدایت کی بے انتہا خواہش رکھتے تھے اور ان کی ہدایت کے لئے بے حد کوشاں رہتے تھے۔ آپ دین اسلام اختیار کرنے والے کے ہدایت قبول کرنے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ تکذیب کرنے والے گمراہ لوگوں پر رحم و شفقت کی بنا پر متاسف اور غم زدہ ہوتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے رویے پر افسوس اور تاسف میں مشغول نہ ہوں جو اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (الشعراء: ٣/٢٦) ''شاید آپ اسی غم میں اپنے آپ کو ہلکان کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿فَلَا تَذۡہَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡہِمۡ حَسَرٰتٍ﴾ (فاطر: ٨/٣٥) ''پس ان لوگوں کے غم میں آپ کی جان نہ گھلے۔'' یہاں فرمایا: ﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ﴾ ''کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔'' یعنی ان کے غم میں، حالانکہ آپ کا

اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو چکا ہے اگر ان لوگوں کی کوئی بھلائی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی تو وہ ضرور ان کو ہدایت سے نواز دیتا۔ مگر اسے معلوم ہے کہ یہ لوگ آگ کے سوا' کسی چیز کے قابل نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور وہ راہ راست نہ پا سکے۔ آپ کا ان کے غم اور تاسف میں اپنے آپ کو مشغول کرنا آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اس آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات کریمہ میں عبرت ہے۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے پر مامور شخص پر تبلیغ دعوت' ان تمام اسباب کے حصول میں کوشاں رہنا جو ہدایت کی منزل پر پہنچاتے ہیں' امکان بھر گمراہی کے راستوں کو مسدود کرنا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ پر توکل فرض ہے۔ پس اگر وہ راہ راست پر گامزن ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس کو ان کے افسوس میں گھلنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ چیز نفس کو کمزور اور قویٰ کو منہدم کر دیتی ہے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسا کرنے سے وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس پر اسے مامور کیا گیا ہے۔ تبلیغ دعوت اور کوشش کے سوا ہر چیز اس کے اختیار سے باہر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص : ۵۶/۲۸) ''آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہتے ہیں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا۔ ﴿ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَ اَخِىْ ﴾ (المائدة : ۲۵/۵) ''اے میرے رب! میں اپنے آپ پر اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔'' تو انبیائے کرام کے علاوہ دیگر لوگ بدرجہ اولیٰ کسی کو ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتے' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ (الغاشیه : ۸۸/۲۱-۲۲) ''آپ نصیحت کیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں' آپ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں ہوئے۔''

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

بیشک ہم نے بنایا اسکو جو کچھ اوپر زمین کے ہے زینت اس کیلئے، تا کہ ہم آزمائیں انہیں کہ کون ان میں سے زیادہ اچھا ہے عمل میں ○

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ ط

اور بلاشبہ ہم البتہ بناڈالنے والے ہیں اس کو جو کچھ اوپر اس (زمین) کے ہے صاف چٹیل میدان ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے روئے زمین پر پائی جانے والی ہر چیز کو' لذت بھرے ماکولات و مشروبات' خوبصورت ملبوسات' اشجار وانہار' کھیتیوں' باغات' دلفریب مناظر' خوش منظر باغیچوں' سحرانگیز آوازوں' خوبصورت چہروں' سونے چاندی' اونٹوں اور گھروں' ان سب کو دنیا کی زینت' فتنہ اور آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ ﴿ لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ ''تا کہ ہم ان کو آزمائیں کہ کون ان میں اچھے عمل کرتا ہے۔'' یعنی کون زیادہ خالص اور زیادہ صحیح اعمال پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام چیزوں کو مضمحل

ہونے والی‘ فانی اور زائل ہو جانے والی بنایا ہے۔ عنقریب یہ زمین بے آب و گیاہ اور بنجر ہو جائے گی‘ اس کی تمام لذتیں ناپید ہو جائیں گی‘ اس کے دریا خشک ہو جائیں گے‘ اس کے تمام آثار مٹ جائیں گے اور اس کی نعمتیں زائل ہو جائیں گی۔ یہ ہے اس دنیا کی حقیقت‘ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو ہمارے سامنے اس طرح بیان کر دیا ہے گویا کہ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا سے دھوکہ کھانے سے بچنے کے لئے کہا ہے اور ہمیں اس گھر کے حصول کی ترغیب دی ہے جس کی نعمتیں دائمی اور جہاں کے رہنے والے بہت خوش بخت ہیں۔ یہ سب کچھ ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جن لوگوں کا باطن گناہوں کے میل کچیل سے آلودہ ہے اور وہ دنیا کی ظاہری شکل کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ دنیا کی زیب و زینت سے فریب کھا جاتے ہیں تب وہ دنیا میں بہائم کی طرح رہتے ہیں‘ مویشیوں کی طرح اس دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں‘ اپنے رب کے حق میں غور کرتے ہیں نہ اس کی معرفت کے حصول کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ ان کے ارادے صرف شہوات کے حصول پر مرتکز ہوتے ہیں خواہ وہ کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی حالت میں حاصل ہوں۔ جب ان لوگوں کی موت کا وقت آتا ہے تو انہیں اپنی ذات کے ویران ہونے اور لذتوں کے چھوٹ جانے پر بہت قلق ہوتا ہے۔ اس قلق کا سبب یہ نہیں کہ وہ کوتاہی اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اور جو اس دنیا کے باطن پر نظر ڈالتا ہے اور اسے دنیا اور خود اپنے مقاصد کا علم ہوتا ہے وہ اس دنیا سے صرف اتنا سا استفادہ کرتا ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں مدد لے سکے جن کے لئے اس کو تخلیق کیا گیا ہے اور اپنی عمر میں فرصت کو غنیمت جانتا ہے وہ دنیا کو راہ گزر سمجھتا ہے‘ آرام کی منزل نہیں۔ وہ اسے انتہائی دشوار اور تکلیف دہ سفر سمجھتا ہے‘ عیش و آرام کا گھر نہیں۔ پس وہ اپنے رب کی معرفت کے حصول اس کے احکام کے نفاذ اور اپنے اعمال کو مقام احسان پر پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین منازل میں قیام کرے گا وہ ہر قسم کے اکرام و تکریم‘ نعمتوں اور مسرتوں کا مستحق ہوگا۔ جب فریب خوردہ لوگ دنیا کے ظاہر کو دیکھتے تھے تو اس شخص کی نظر دنیا کے باطن پر تھی‘ جب لوگ حصول دنیا کے لئے کام کرتے تھے تو یہ اپنی آخرت کے لئے کام کرتا تھا۔ دونوں فریقوں میں بہت بڑا فرق اور دونوں گروہوں کے درمیان بہت بڑا تفاوت ہے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ
کیا خیال کیا ہے آپ نے کہ بلاشبہ غار اور رقیم والے، تھے وہ ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب (نشانی)؟ ○ جب
اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا
پناہ لی ان نوجوانوں نے غار کی طرف تو انہوں نے کہا، ہمارے رب! تو دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت، اور آسان کر دے ہمارے لئے
مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ⑪
ہمارے کام میں بھلائی کا راستہ ○ پس ڈال دیا ہم نے ان کے کانوں پر (پردہ)، غار میں کئی سال تک گنتی کے ○

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع

پھر اٹھایا ہم نے انکو تا کہ جان لیں ہم کہ کون دو گروہوں میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے، اسکو کہ ٹھہرے رہے وہ اس مدت تک ○

یہ استفہام، نفی اور نہی کے معنی میں ہے۔ یعنی اصحاب کہف کے قصہ اور ان کے واقعات کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے انہونی بات، اس کی حکمت میں انوکھا واقعہ نہ سمجھو اور نہ یہ سمجھو کہ اس کی کوئی نظیر نہیں اور اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار تعجب خیز معجزات ہیں جو اصحاب کہف کے معجزے کی جنس میں سے ہیں یا اس سے بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے بندوں کو آفاق اور ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھاتا رہا ہے جن سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت واضح ہوتے ہیں۔ نفی سے مراد یہ نہیں کہ اصحاب کہف کا قصہ عجائبات میں سے نہیں بلکہ یہ قصہ تو اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ہے اور اس سے صرف یہ مراد ہے کہ اس جنس سے اور بہت سے معجزات ہیں، اس لئے صرف اس ایک معجزے پر تعجب کے ساتھ ٹھہر جانا علم و عقل میں نقص ہے۔ بندۂ مومن کا وظیفہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام آیات میں غور و فکر کرے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کیونکہ غور و فکر ایمان کی کلید اور علم و ایقان کا راستہ ہے۔ اصحاب کہف کو (الکھف) اور (الرقیم) کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ کہف سے مراد پہاڑ کے اندر ایک غار ہے اور رقیم سے مراد کتبہ ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کا واقعہ درج تھا کہ وہ طویل زمانے تک اس غار میں پڑے رہے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا واقعہ نہایت مجمل طور پر ذکر کیا اور پھر اس کی تفصیل بیان کی، چنانچہ فرمایا: ﴿اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ﴾ ”جب جا بیٹھے وہ نوجوان غار میں“ اور یہ نوجوان اس غار میں پناہ گزین ہو کر اپنی قوم کی تعذیب اور فتنے سے بچنا چاہتے تھے۔ ﴿فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ”پس انہوں نے کہا، اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے“ یعنی اپنی رحمت کے ذریعے سے ہمیں ثابت قدمی عطا کر، شر سے محفوظ رکھ اور ہمیں نیکی کی توفیق دے۔ ﴿وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ ”اور ہمارے کام میں درستی پیدا کر“ یعنی رشد و ہدایت تک پہنچانے والا ہر راستہ ہمارے لئے آسان فرما دے اور ہمارے دینی اور دنیاوی امور کی اصلاح کر۔ پس وہ کوشش کے ساتھ اپنی قوم کی تعذیب اور فتنہ سے فرار ہو کر ایسے محل و مقام کی طرف بھاگے جہاں ان کے لئے چھپنا ممکن تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور اپنے نفس اور مخلوق پر بھروسہ کئے بغیر، اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لئے ایک ایسا امر مقرر کر دیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ فرمایا: ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ﴾ ”پس تھپک دیے ہم نے ان کے کان اس غار میں“ یعنی ہم نے انہیں سلا دیا ﴿سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ ”چند سال گنتی کے“ اور یہ تین سو نو سال کا عرصہ ہے۔ اس نیند میں ان کے دلوں کے لئے اضطراب اور

خوف سے اور ان کی قوم سے حفاظت تھی۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ ''پھر ہم نے ان کو اٹھایا'' یعنی پھر ہم نے ان کو ان کی نیند سے بیدار کیا ﴿ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴾ ''تا کہ ہم جانیں کہ دونوں گروہوں میں سے کس نے یاد رکھی ہے وہ مدت' جس میں وہ ٹھہرے رہے'' یعنی تا کہ ہم دیکھیں کہ ان میں سے اپنی مدت کی مقدار کو کون ٹھیک طرح سے شمار کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ﴾ (الکھف : ۱۹/۱۸) ''اور اس طرح ہم نے انہیں دوبارہ اٹھایا تا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔'' یعنی اپنے سوئے رہنے کی مدت کی مقدار' ضبط حساب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ' اس کی حکمت اور رحمت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں...... اور اگر وہ دائمی طور پر سوئے رہتے تو ان کے واقعہ کی کسی کو کوئی اطلاع نہ ہوتی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ

ہم بیان کرتے ہیں آپ پر حال انکا ساتھ حق کے، بیشک وہ چند نوجوان تھے ایمان لائے تھے وہ ساتھ اپنے رب کے، اور زیادہ کیا تھا ہم نے ان کو

هُدًى ⑬ ۖ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

ہدایت میں ○ اور مضبوط کر دیا ہم نے انکے دلوں کو جب کھڑے ہوئے وہ تو کہا انہوں نے، ہمارا رب تو رب ہے آسمانوں اور زمین کا،

لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ⑭

ہرگز نہیں پکاریں گے ہم سوائے اس کے کسی اور معبود کو، البتہ تحقیق کہی ہم نے اس وقت ظلم و زیادتی والی بات ○

یہاں سے اصحاب کہف کے واقعہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس قصے کو حق اور صداقت کے ساتھ اپنے نبی ﷺ پر بیان کرتا ہے جس میں کسی لحاظ سے کوئی شک و شبہ نہیں۔ ﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾ ''وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے'' (فِتْيَةٌ) جمع قلت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ نوجوان تعداد میں دس سے کم تھے۔ وہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے مگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی قدر کی اور ان کی ہدایت میں اضافہ کیا' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے راہ ایمان پر گامزن ہونے کے سبب سے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا۔ ہدایت سے مراد علم نافع اور عمل صالح ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ (مریم : ۷۶/۱۹) ''جو لوگ راہ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی راست روی اور زیادہ بڑھاتا ہے۔'' ﴿ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''اور گرہ لگا دی ہم نے ان کے دلوں پر'' یعنی ہم نے انہیں صبر عطا کیا اور ان کو ثابت قدم رکھا اور ان کو اس انتہائی پریشان کن حالت میں اطمینان قلب سے نوازا۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے ان کو ایمان اور ہدایت کی توفیق عطا کی اور ان کو صبر و ثبات اور طمانیت قلب سے نوازا۔ ﴿ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''جب وہ کھڑے ہوئے' پس انہوں نے

کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے'' یعنی جس نے ہمیں پیدا کیا' ہماری پرورش کی اور جو ہمیں رزق عطا کرتا ہے اور ہماری تدبیر کرتا ہے وہی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ان عظیم مخلوقات کو پیدا کرنے میں منفرد ہے۔ یہ بت اور خود ساختہ معبود اس کائنات کے خالق نہیں ہیں جو کسی چیز کو پیدا کر سکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں' وہ کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات کے اور نہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہیں۔

پس انہوں نے توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا اور کہا: ﴿لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰـہًا﴾ ''ہم اس کے سوا کسی کو معبود نہ پکاریں گے۔'' یعنی ہم تمام مخلوقات میں سے کسی کو الہ نہیں بنائیں گے۔ ﴿لَقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا﴾ ''تحقیق کہی ہم نے بات اس وقت'' یعنی یہ جان لینے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار اور معبود حقیقی ہے اس کے سوا کسی اور کے لئے عبادت جائز ہے نہ مناسب ہے ﴿شَطَطًا﴾ ''عقل سے دور'' یعنی حق و صواب سے دور۔

پس انہوں نے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کے اقرار اور التزام کو جمع کیا اور واضح کر دیا کہ صرف یہی حق ہے اس کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اپنے رب کی مکمل معرفت حاصل تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہدایت عطا کی گئی تھی۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ لَوۡلَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ

یہ ہماری قوم، بنا لئے ہیں انہوں نے سوائے اللہ کے کئی معبود، کیوں نہیں لاتے وہ ان (کی عبادت) پر کوئی دلیل واضح؟

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ﴿۱۵﴾ؕ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ؟ ○

یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان' ہدایت اور تقویٰ سے نوازا' وہ اپنی قوم کے شرک کی طرف متوجہ ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کے نظریات پر ناراضی کا اظہار کیا اور ان پر واضح کیا کہ ان کے مشرکانہ عقائد یقین پر مبنی نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ جہالت اور ضلالت میں مبتلا ہیں' چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿لَوۡلَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ﴾ ''کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی واضح دلیل'' یعنی وہ اپنے باطل عقائد پر کوئی حجت و برہان پیش نہیں کر سکتے نہ ان کے پاس اس کا کوئی چارہ ہے یہ تو ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان طرازی ہے اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے' اس لئے فرمایا: ﴿فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ ''اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔''

وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡہُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاۡوٗۤا اِلَی الۡکَہۡفِ یَنۡشُرۡ لَکُمۡ

اور جب الگ ہو گئے ہو تم ان سے اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے، تو پناہ لو تم اس غار کی طرف' پھیلا دے گا تم پر

رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِہٖ وَ یُہَیِّئۡ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾

تمہارا رب اپنی رحمت' اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے تمہارے کام میں آسانی ○

یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ چونکہ تم جسمانی اور دینی طور پر اپنی قوم سے الگ ہو گئے ہو اس لئے اب ان کے شر سے نجات پانا اور اس کے لئے اسباب اختیار کرنا باقی ہے کیونکہ وہ ان کے ساتھ جنگ کر سکتے ہیں نہ اس بنا پر ان کے ساتھ رہ سکتے ہیں کہ ان کا دین ان کی قوم کے دین سے مختلف ہے۔ ﴿فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ﴾ ’’پس جگہ پکڑو غار کی طرف‘‘ یعنی غار میں جا کر چھپ جاؤ۔ ﴿يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾ ’’پھیلا دے گا تم پر تمہارا رب اپنی رحمت اور مہیا کرے گا تمہیں تمہارے کام میں آسانی‘‘ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی اس دعا کے بارے میں خبر دی تھی۔ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ انہوں نے اپنی قوت و اختیار سے براءت کا اظہار کیا‘ اپنے معاملے کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کے حضور ملتجی ہوئے اور اس پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کے معاملے کی اصلاح کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ لیا اور ان کے معاملے میں آسانی پیدا کر دی۔ ان کی زندگی اور ان کے دین کی حفاظت کی اور خلائق کے لئے انہیں ایک بڑا معجزہ بنا دیا اور ان کی ثنائے حسن کو دنیا میں پھیلا دیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور ان کے لئے ہر سبب آسان کر دیا حتیٰ کہ وہ جگہ جہاں وہ سوتے رہے ممکن حد تک محفوظ تھی۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

اور تو دیکھے گا سورج کو جب طلوع ہوتا ہے وہ تو جھک (ہٹ) جاتا ہے ان کے غار سے دائیں طرف کو، اور جب غروب ہوتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ

وہ تو کترا (کر نکل) جاتا ہے ان کی بائیں طرف سے، اور وہ کھلی جگہ میں ہیں اس (غار) سے، یہ (واقعہ) نشانیوں میں سے ہے اللہ کی، جسے

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۧ ⑰ ع ۲ ۱۴

ہدایت دے اللہ، تو وہی ہے ہدایت پانے والا، اور جسے وہ گمراہ کر دے، تو ہر گز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی دوست راہ نمائی کرنیوالا ○

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

اور آپ خیال کریں گے انہیں بیدار حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں، اور ہم کروٹیں بدلتے ہیں انکی دائیں طرف اور بائیں طرف،

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ

اور کتا ان کا پھیلائے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دہلیز پر، اگر آپ جھانکیں ان پر تو آپ پیٹھ پھیر لیں

مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱

ان سے بھاگتے ہوئے اور بھر جائے آپ میں ان کی دہشت ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت کی۔ انہیں ایک ایسا غار مہیا کیا کہ جب سورج طلوع

ہوتا تو اس کے دائیں طرف سے گزر جاتا اور جب غروب ہوتا تو اس کی بائیں طرف سے گزر جاتا اس طرح سورج کی تمازت ان تک نہ پہنچ پاتی‘ جوان کے ابدان کو خراب کرتی۔ ﴿ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ﴾ ’’اور وہ اس کے میدان میں تھے۔‘‘ یعنی وہ غار کے اندر ایک کھلی جگہ میں لیٹے ہوئے تھے تاکہ وہاں تازہ ہوا کا گزر ہو اور یوں وہ گھٹن اور بدن کے خراب ہونے سے بچیں رہیں خاص طور پر جبکہ انہوں نے طویل عرصہ تک پڑے رہنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے جو اس کی قدرت اور رحمت پر دلالت کرتی ہے‘ نیز ان کی دعا کے قبول ہونے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ﴾ ’’جس کو ہدایت دے اللہ‘ پس وہی ہدایت پر ہے۔‘‘ یعنی اللہ کے سوا ہدایت کے حصول کا کوئی راستہ نہیں‘ دین و دنیا کے مصالح کے لئے اللہ تعالیٰ ہی ہادی اور راہنما ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ ’’اور جس کو وہ گمراہ کر دے‘ پس آپ اس کے لیے ہرگز رہنمائی کرنے والا رفیق نہیں پائیں گے۔‘‘ یعنی آپ کوئی ایسی ہستی نہیں پائیں گے جو اس کی سرپرستی کرے اور اس کے معاملے کی اس طرح تدبیر کرے جو اس کے لئے درست ہے اور نہ کوئی ایسی ہستی پائیں گے جو نیکی اور فلاح کی طرف اس کی راہ نمائی کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ ﴿ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ﴾ ’’اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں۔‘‘ یعنی اے ان کی طرف دیکھنے والے شخص! تجھے ان کے بارے میں یوں لگے گا جیسے کہ وہ جاگ رہے ہیں‘ حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں‘ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تاکہ خراب نہ ہوں‘ اس لئے ان کو دیکھنے والا سمجھتا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ محو خواب تھے۔

﴿ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ ’’اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو دائیں اور بائیں جانب۔‘‘ یہ انتظام بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جسموں کی حفاظت کے لیے تھا کیونکہ یہ زمین کی خاصیت ہے کہ جو چیز اس کے ساتھ پیوست رہتی ہے یہ اس کو کھا جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی کہ وہ ان کو دائیں پہلو پر اور کبھی بائیں پہلو پر پلٹتا رہتا تھا تاکہ زمین ان کے جسم کو خراب نہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ان کے پہلوؤں کو ادل بدل کئے بغیر ہی ان کے جسموں کی حفاظت کرے۔ مگر اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے ارادہ فرمایا کہ وہ اس تکوینی قوانین میں اپنی سنت کو جاری و ساری کرے اور اسباب کو ان کے مسببات کے ساتھ مربوط کرے۔ ﴿ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ﴾ ’’اور ان کا کتا اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھا چوکھٹ پر‘‘ یعنی وہ کتا جو اصحاب کہف کے ساتھ تھا اس کی چوکیداری کے وقت‘ اس پر بھی وہی نیند طاری ہوئی جو ان پر طاری ہو گئی تھی وہ اس وقت اپنی اگلی ٹانگیں زمین پر بچھائے غار کے دہانے پر بیٹھا تھا یا وہ غار میں کھلی جگہ پر بیٹھا تھا‘ یہ انتظام تو ان کو زمین

سے بچانے کے لیے تھا۔ رہا لوگوں سے ان کی حفاظت کرنا' تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ رعب کے ذریعے سے ان کی حفاظت کی جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہیئت میں رکھ دیا تھا۔ اگر کوئی شخص غار کے اندر جھانک کر دیکھے تو اس کا دل رعب سے بھر جائے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے۔ یہی وہ چیز تھی جو اس امر کی موجب تھی کہ وہ طویل مدت تک صحیح سلامت باقی رہیں۔ اور شہر سے بہت قریب ہونے کے باوجود کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہوا اور شہر سے ان کے قرب کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ شہر سے کھانا خرید کر لائے اور دوسرے لوگ اس کا انتظار کرتے رہے یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ شہر ان سے بہت قریب تھا۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا

اور اسی طرح دوبارہ اٹھایا ہم نے انکو تا کہ وہ سوال کریں آپس میں، کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے کتنا (عرصہ) ٹھہرے ہو تم؟ انہوں نے کہا،

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ

ٹھہرے ہیں ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا، انہوں نے کہا' تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا ٹھہرے ہو تم، پس بھیجو تم اپنے ایک آدمی کو

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ

ساتھ اپنی اس چاندی کے شہر کی طرف، پس چاہیے کہ دیکھے وہ کونسا ان میں سے زیادہ پاکیزہ ہے کھانا پھر چاہیے کہ لے آئے وہ تمہارے پاس کھانا

مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

اس میں سے، اور چاہیے کہ وہ نرمی (سے بات) کرے اور نہ آگاہ کرے وہ تمہارے معاملے سے کسی کو ○ بلاشبہ وہ اگر مطلع ہو گئے تم پر

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ⑳

تو سنگسار کر دیں گے وہ تمہیں یا لوٹا دیں گے تم کو اپنے دین میں، اور ہرگز نہیں فلاح پاؤ گے تم اس وقت کبھی بھی ○

﴿ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے ان کو ان کی طویل نیند سے بیدار کیا ﴿ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ﴾ ''تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں۔'' یعنی سونے کی مدت کے بارے میں حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ ''ان میں سے ایک نے کہا' تم کتنی مدت ٹھہرے؟ انہوں نے کہا' ہم ٹھہرے ایک دن یا ایک دن سے کم۔'' یہ قائل کے ظن پر مبنی ہے گویا ان کو اپنی مدت کی طوالت کے بارے میں اشتباہ واقع ہو گیا تھا' اس لئے ﴿ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ﴾ ''انہوں نے کہا تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت تم ٹھہرے'' پس انہوں نے اپنے علم کو اس ہستی کی طرف لوٹا دیا جس کا علم اجمالاً اور تفصیلاً ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے سوئے رہنے کی مدت سے ان کو مطلع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

بیدار کر دیا تھا تاکہ وہ اس مدت کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھیں پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کیا اور اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق انہوں نے کلام کیا اور ان کی آپس میں بحث کا نتیجہ یہ رہا کہ ان کے سونے کی مدت کا معاملہ مشتبہ ہی رہا۔ یہ لازمی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یقینی طور پر آگاہ کیا ہوگا اور ہمیں یہ بات ان کے بیدار کئے جانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے معلوم ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے کہ جو کوئی ان معاملات میں حقیقت کا طلب گار ہوتا ہے جن کا جاننا مطلوب ہے اور اس کے لئے امکان بھر کوشش بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان معاملات کو اس پر واضح کر دیتا ہے اور بعد میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ (الکہف: ۱۸/۲۱) ''اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آئے گی۔'' اگر ان کے حال کے بارے میں آگاہی نہ ہوئی ہوتی تو ان کے لئے مذکورہ واقعہ میں کوئی دلیل نہ ہوتی۔ پھر جب انہوں نے ایک دوسرے سے سوال کیا اور ان کے درمیان وہ سوال جواب ہوا جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو کچھ سکے ' یعنی دراہم دے کر ' جو ان کے پاس تھے ' کھانا خرید کر لانے کے لئے اس شہر میں بھیجا جہاں سے وہ نکل کر آئے تھے اور اس سے کہا کہ وہ اچھا اور لذیذ ترین کھانا منتخب کر کے لائے ' نیز اس کے شہر جانے ' کھانا خریدنے اور واپس لوٹنے میں ایسا نرم رویہ اختیار کرے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہ اپنے آپ کو بھی چھپائے اور اپنے بھائیوں کے حال کو بھی مخفی رکھے اور کسی کو اس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو۔

ان کے سامنے یہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کو اگر ان کی اطلاع ہو گئی تو اس کے نتیجے میں ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ ان دو امور میں سے ایک ہوگا۔ یا تو وہ ان کو سنگسار کر کے نہایت برے طریقے سے ان کو قتل کر دیں گے کیونکہ انہیں ان پر اور ان کے دین پر سخت غصہ ہے۔ یا انہیں تعذیب اور آزمائش میں مبتلا کر کے ان کو اپنے دین میں واپس لانے کی کوشش کریں گے اور اس حال میں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے بلکہ وہ اپنے دین ' دنیا اور آخرت کے بارے میں سخت خسارے میں رہیں گے۔

یہ دو آیات کریمہ متعدد فوائد پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) حصول علم اور علمی مباحثہ پر ترغیب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی خاطر اصحاب کہف کو دوبارہ زندہ کیا۔

(۲) جب بندے پر علم مشتبہ ہو جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس علم کو اس شخص کی طرف لوٹا دے جو اس کا عالم ہے اور خود اپنی حد پر ٹھہر جائے۔

(۳) خرید وفروخت میں وکالت اور اس میں شراکت صحیح ہے۔

(۴) اچھی چیزیں اور لذیذ کھانے کھانا جائز ہے جبکہ ان میں اسراف نہ ہو جو ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلْيَنظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾ ’’پس وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں سے ملتا ہے پس وہ تمہارے لئے وہیں سے کچھ کھانے کے لئے لے کر آئے۔‘‘ خاص طور پر جبکہ انسان کو اس کے سوا کوئی اور کھانا موافق نہ آتا ہو۔ شاید یہی آیت کریمہ ان مفسرین کے قول کی بنیاد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کھانا لانے والے کو اچھا اور لذیذ کھانا لانے کا حکم دیا تھا کیونکہ خوشحال اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اچھا کھانا تناول کرتے ہیں۔

(۵) جب دین میں ابتلا اور فتنہ کا موقع ہو تو اس سے بچنے، چھپنے اور فتنوں کی جگہوں سے دور رہنے کی ترغیب دی گئی ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے دینی بھائیوں کو چھپائے۔

(۶) ان آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کو دین میں شدید رغبت تھی وہ اپنے دین کے بارے میں ہر قسم کے فتنہ سے دور بھاگتے تھے اور انہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا۔

(۷) ان آیات کریمہ میں اس شر کا ذکر ہے جو ضرر اور ان مفاسد پر مشتمل ہے جو اس کی ناپسندیدگی کا باعث اور اس کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کہ یہ طریقہ تمام متقدمین اور متاخرین اہل ایمان کا طریقہ ہے کیونکہ اہل کہف نے کہا تھا: ﴿ وَلَن تُفْلِحُوٓا اِذًا اَبَدًا ﴾ اگر وہ تمہیں اپنی ملت میں واپس لوٹا دیں تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

اور اسی طرح مطلع کر دیا ہم نے ان پر (لوگوں کو) تا کہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور بلاشبہ قیامت، نہیں کوئی شک اس میں،

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ

جب وہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے باہم انکے معاملے میں سو کہا انہوں نے، بناؤ ان پر ایک عمارت، ان کا رب خوب جانتا ہے ان کو،

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

کہا ان لوگوں نے جو غالب آئے تھے اوپر ان کے معاملے کے، البتہ ضرور بنائیں گے ہم ان پر مسجد ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اصحاب کہف کے احوال سے مطلع کیا اور یہ اطلاع یوں ہوئی (واللہ اعلم) کہ اصحاب کہف جب اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ خود اپنے آپ کو اور ان کے معاملے کو چھپائے رکھے۔

مگر اللہ تعالیٰ ایک ایسا معاملہ چاہتا تھا جس میں لوگوں کی بھلائی اور ان کے لئے زیادہ اجر تھا۔ انہوں نے

اصحاب کہف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے اس بات کی نشانی کا عینی مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کا وعدہ سچا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اس کا آنا بعید نہیں۔ اس سے پہلے وہ اس امر میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ قیامت اور جزائے اعمال کو مانتے تھے اور بعض اس کا انکار کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اہل ایمان کے لئے ان کے یقین وبصیرت میں اضافے اور منکرین کے خلاف حجت وبرہان کا باعث بنایا اور اس تمام قضیے کا اجر اصحاب کہف کو حاصل ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو تشہیر بخشی' ان کی قدر ومنزلت بلند کی یہاں تک کہ ان لوگوں کی بھی عظمت بیان کی جو ان کے احوال پر مطلع ہوئے۔ ﴿فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾ ’’پس انہوں نے کہا' بناؤ ان پر ایک عمارت۔‘‘ اللہ تعالیٰ ان کے حال ومآل کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ وہ لوگ جو ان کے معاملے میں اختیار رکھتے تھے' یعنی اصحاب اقتدار وہ کہنے لگے: ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ’’ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر ایک مسجد‘‘ یعنی ہم اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس مسجد کی وجہ سے ان کے حالات وواقعات کو یاد رکھیں گے۔ مگر یہ حالت ممنوع اور حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ ① یہاں اس کا ذکر کرنا اس کے مذموم نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ آیات کا سیاق اصحاب کہف کی شان اور ان کی مدح وثنا کے بارے میں ہے' یعنی اصحاب کہف کے بارے میں اطلاع پا کر لوگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ یہاں تک کہنے لگے کہ ان پر ایک مسجد تعمیر کر دو۔ کہاں تو اصحاب کہف کو اپنی قوم سے شدید خوف اور اپنے بارے میں اطلاع ہونے کا ڈر تھا اور کہاں یہ حالت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔

(١) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے فرار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(٢) جو کوئی عافیت کی خواہش رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا کرتا ہے۔

(٣) جو اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پناہ دیتا ہے اور اسے دوسروں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنا دیتا ہے۔

(٤) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کی رضا کی خاطر ذلت اٹھاتا ہے انجام کار اسے بہت زیادہ عزت نصیب ہوتی ہے اور اسے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ (آل عمران: ١٩٨/٣) ’’جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوکار لوگوں کے لئے بہت بہتر ہے۔‘‘

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

عنقریب کہیں گے (لوگ) وہ تین تھے، چوتھا ان کا، کتا تھا ان کا اور کہیں گے (وہ) پانچ تھے، چھٹا ان کا، کتا تھا ان کا، (یہ تو) رائے زنی کرنا ہے

---

① صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور' حدیث: ١٣٣٠

بِالْغَیْبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

بغیر علم کے اور کہیں گے، (وہ) سات تھے، آٹھواں ان کا، کتا تھا ان کا، آپ کہہ دیجئے، میرا رب خوب جانتا ہے ان کی تعداد،

مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۬ۚ فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪

نہیں جانتے ان (کے حال) کو، مگر بہت تھوڑے لوگ ہی، سو نہ جھگڑا کریں آپ ان کی بابت مگر جھگڑا سرسری،

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع

اور نہ پوچھئے آپ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے بھی ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اہل کتاب کے اختلاف کا ذکر فرماتا ہے ان کا اختلاف محض انکل پچو اور بے تکی باتیں تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی علم کے یہ باتیں گھڑ لی تھیں۔ ان کی تعداد کے متعلق اہل کتاب کے تین اقوال تھے:

(۱) ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ اصحاب کہف تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔

(۲) بعض کی رائے تھی کہ وہ پانچ آدمی تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا...... یہ دو قول ہیں جن کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو (رجما بالغیب) قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان دونوں اقوال کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ وہ تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اور یہی قرین صواب ہے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو اقوال کا ابطال کیا ہے مگر اس قول کا ابطال نہیں کیا جو اس کی صحت کی دلیل ہے۔

تاہم یہ ایسا اختلاف ہے جس کے تحت کوئی فائدہ نہیں، نہ ان کے عدد کی معرفت سے لوگوں کو کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ ''کہہ دیجیے! میرا رب ہی خوب جانتا ہے ان کی تعداد کو، تھوڑے لوگ ہی ان کا علم رکھتے ہیں۔'' اور یہ وہ لوگ ہیں جو صواب تک پہنچ گئے اور انہیں اپنی اصابت کا علم بھی ہو گیا۔ ﴿فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ﴾ ''لہٰذا ان کے بارے میں جھگڑا نہ کیجئے'' ﴿اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ ''مگر سرسری گفتگو'' یعنی ایسی بحث جو علم و یقین پر مبنی ہو اس میں فائدہ بھی ہو۔ رہی وہ بحث اور مجادلہ جو جہالت اور انکل پچو دلائل پر مبنی ہو یا اس بحث میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو یا مدمقابل عناد رکھتا ہو یا زیر بحث مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ ہو، اس کی معرفت سے کوئی دینی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو، مثلاً اصحاب کہف کی تعداد وغیرہ...... تو اس قسم کے امور میں کثرت سے بحث مباحثہ کرنا تضییع اوقات ہے اور یہ بحث مباحثہ باہمی مودت و محبت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ ﴿وَلَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ﴾ ''اور نہ پوچھئے ان کے بارے میں'' یعنی اصحاب کہف کے بارے میں ﴿مِّنْهُمْ﴾ یعنی اہل کتاب میں سے ﴿اَحَدًا﴾ ''کسی سے بھی'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان

کا کلام محض اندازوں اور وہم و گمان پر مبنی ہے جو حق کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے استفتاء نہ کیا جائے، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جس امر کے بارے میں فتویٰ پوچھا جا رہا ہے وہ اس میں کوتاہ علم ہے یا اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بولتے وقت اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ وہ کیا بول رہا ہے اور وہ ورع سے بھی خالی ہے جو اسے لایعنی کلام سے روک دے۔ جب اس قسم کے امور میں استفتاء ممنوع ہے تو فتویٰ دینا تو بدرجہ اولی ممنوع ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان کو بسا اوقات کسی ایک امر میں استفتاء کرنے سے روکا گیا مگر کسی دوسرے معاملے میں استفتاء کی اجازت ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے شخص سے فتویٰ طلب کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ پوچھنے سے علی الاطلاق منع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اصحاب کہف کے قصے میں اور اس قسم کے دیگر واقعات میں فتویٰ پوچھنے سے روکا ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ز وَاذْكُرْ

اور قطعاً نہ کہیں آپ کسی چیز کے متعلق کہ بے شک میں کرنے والا ہوں یہ کل ○ مگر یہ کہ چاہے اللہ، اور یاد کریں

رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

اپنے رب کو جب بھول جائیں آپ اور کہیے! امید ہے کہ ہدایت دے دے مجھے میرا رب قریب تر راستے کی اس سے، بھلائی کے ○

یہ نہی دیگر نواہی کی مانند (عام) ہے اگرچہ یہ ایک خاص سبب کی بنا پر ہے اور اس کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں، مگر اس کا خطاب عام مکلفین کے لئے بھی ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے روک دیا ہے کہ بندۂ مومن مستقبل کے امور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ملائے بغیر کہے ''میں یہ کام کروں گا'' اور یہ اس لیے کہ اس میں خطرات ہیں، اور وہ ہے مستقبل کے غیبی معاملات کے بارے میں کلام کرنا، جن کے بارے میں بندہ نہیں جانتا کہ وہ ان پر عمل کر سکے گا یا نہیں، یا وہ ہو گا یا نہیں؟ اس طرح کہنے میں فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ مستقل طور پر بندے کی طرف لوٹانا ہے، حالانکہ یہ قابل احتراز شے اور ممنوع ہے، کیونکہ مشیت تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (التکویر: ٢٩/٨١) ''تم نہیں چاہتے مگر جو اللہ جہانوں کا رب چاہتا ہے۔'' اپنے کسی امر میں اللہ کی مشیت کے ذکر کرنے میں اس امر کی آسانی، تسہیل، اس میں برکت کا حصول اور بندے کی اپنے رب سے مدد کی طلب ہے۔ علاوہ ازیں بندہ ایک بشر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ذکر کو بھول جانا ایک لابدی امر ہے اس لئے اس نے اپنے بندے کو حکم دیا کہ جب اسے یاد آئے وہ استثناء کر لیا کرے (یعنی ''ان شاء اللہ'' کہہ لیا کرے) تاکہ مطلوب و مقصود حاصل ہو اور محذور سے بچا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ﴾ ''جب تو بھول جائے، تو اپنے رب کو یاد کر'' کے عموم سے بھی یہ حکم

اخذ کیا جاتا ہے کہ نسیان کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نسیان کو زائل کر دیتا ہے اور بندے کو وہ امر یاد دلا دیتا ہے جو اسے بھول گیا تھا۔ اسی طرح اللہ کا ذکر بھول جانے اور نسیان کا شکار ہو جانے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کو یاد کرے اور اور غافلوں میں شامل نہ ہو۔

چونکہ بندہ اصابت کی توفیق اور اپنے اقوال و افعال میں عدم خطا کے لئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ کہے ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴾ ''امید ہے کہ دکھائے مجھے میرا رب اس سے زیادہ نزدیک نیکی کی راہ'' پس اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے، اسی سے امید وابستہ کرے اور اسی پر اس بارے میں بھروسہ کرے کہ وہ اس کی رشد و ہدایت کے لئے قریب ترین راستہ کی طرف اس کی راہنمائی کرے گا۔ جس بندے کا حال یہ ہو، پھر وہ رشد و ہدایت کی طلب میں اپنی کوشش اور جہد صرف کرے، وہ اس لائق ہے کہ اس کو رشد و ہدایت کی توفیق عطا ہو اس کے پاس اس کے رب کی مدد آئے اور اس کے تمام امور میں اسے درستی و راستی عطا ہو۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝۲۵ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ

اور ٹھہرے وہ اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ رہے (اس سے) نو سال ○ آپ کہہ دیجئے! اللہ ہی خوب جانتا ہے

بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ

اس مدت کو کہ جو وہ ٹھہرے، اسی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا، کیا ہی خوب دیکھنے والا ہے وہ، اور کیا ہی خوب سننے والا ہے، نہیں ہے ان کیلئے

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝۲۶

سوائے اس (اللہ) کے کوئی دوست، اور نہیں شریک کرتا وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں اہل کتاب سے سوال کرنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ انہیں اس کے متعلق کچھ علم نہیں، اللہ تعالیٰ ہی غیب اور حاضر کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے...... اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوئے رہنے کی مدت سے آگاہ فرمایا۔ اس مدت کو وہ اکیلا ہی جانتا ہے کیونکہ اس کا تعلق آسمانوں اور زمین کے غیبی امور سے ہے اور غیبی امور کا علم اللہ تعالیٰ سے مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے بارے میں اپنے رسولوں کی زبانی آگاہ فرمایا ہے وہی حق یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور وہ امور جن کے بارے میں وہ اپنے انبیاء و رسل کو مطلع نہیں کرتا مخلوق میں سے کوئی بھی ان کو نہیں جان سکتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ﴾ ''کیا ہی خوب وہ دیکھتا اور سنتا ہے'' تمام معلومات پر اپنے علم کے احاطہ کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد کامل سمع و بصر، تمام مسموعات و مبصرات پر اس سمع و بصر کے محیط ہونے پر تعجب کا اظہار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ میں وہی منفرد ہے وہی

ولی اور مددگار ہے جو تمام کائنات کی تدبیر کرتا ہے اپنے مومن بندوں کا دوست اور مددگار ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ فرمایا: ﴿مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِیٍّ﴾ ”نہیں ہے واسطے ان کے اس کے سوا، کوئی دوست، کارساز“ یعنی وہی ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے اصحاب کہف کی سرپرستی فرمائی اور ان کے معاملے کو اپنی مخلوق میں سے کسی پر نہیں چھوڑا۔ ﴿وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا﴾ ”اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا“ اور یہ حکم کونی و قدری اور حکم دینی و شرعی دونوں کو شامل ہے وہی قضا و قدر اور تخلیق و تدبیر کے ذریعے سے اور امر و نہی اور ثواب و عقاب کے ذریعے سے اپنی مخلوق میں اپنا حکم نافذ کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا کہ آسمانوں اور زمین کے تمام غیبی امور کو وہ جانتا ہے تو مخلوق کے لئے ان کو جاننے کا اس طریقے کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں، جو اس نے اپنے بندوں کو بتایا ہے۔ یہ قرآن کریم بہت سے غیبی امور پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور تلاوت کیجئے اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف، کتاب میں سے آپ کے رب کی نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو،

وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ سوائے اس کے کوئی جائے پناہ ○

تلاوت سے مراد اتباع کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف جو وحی بھیجی ہے اس کے معانی کی معرفت اور ان کا فہم حاصل کر کے، اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق اور اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کر کے اس کی اتباع کیجئے کیونکہ یہ بہت ہی جلیل القدر کتاب ہے جس کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، ان کلمات کے صدق و عدل اور حسن میں ہر غایت و انتہا سے بڑھ جانے کی وجہ سے، ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا﴾ (الانعام: ۶/ ۱۱۵) ”آپ کے رب کی بات صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے۔“

پس اپنے کمال کی وجہ سے ان باتوں میں تغیر و تبدل محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ناقص ہوتے تو ان میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا۔ اس میں قرآن کریم کی عظمت کا اظہار ہے اور اسی ضمن میں قرآن کریم کی طرف توجہ کرنے کی ترغیب ہے۔ ﴿وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا﴾ ”اور اس کے سوا تم کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پاؤ گے۔“ یعنی آپ کے رب کے سوا آپ کو کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ملے گا جہاں آپ چھپ سکیں، نہ پناہ گاہ ملے گی جہاں پناہ لے سکیں۔ پس جب یہ حقیقت متعین ہو گئی کہ تمام امور میں وہی ملجا و ماویٰ ہے تو یہ بات بھی متعین ہو گئی کہ وہی اللہ ہے، خوشحالی اور بدحالی میں اسی کی طرف رغبت کی جائے، لوگ اپنے تمام احوال میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنے تمام مطالب میں اسی سے سوال کیا جائے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

اور روک رکھئے اپنے آپ کو ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، وہ چاہتے ہیں

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ

چہرہ اس (اللہ) کا اور نہ تجاوز کریں آپ کی آنکھیں ان سے، ارادہ کرتے ہیں آپ زینت کا زندگانی دنیا کی، اور مت اطاعت کریں آپ

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اس شخص کی کہ غافل کر دیا ہم نے اس کے دل کو اپنے ذکر سے اور پیروی کی اس نے اپنی خواہش کی، اور ہے معاملہ اس کا حد سے بڑھا ہوا○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو اور دوسروں کو جو اوامر ونواہی میں آپ کے نمونہ پر عمل پیرا ہیں، حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مومنوں کے ساتھ جوڑے رکھیں جو اللہ کے بندے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ ’’جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام‘‘ یعنی دن کے پہلے اور آخری حصے میں، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بندگی اور اس میں ان کے اخلاص کو بیان کیا ہے۔ پس اس آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے، ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ اختلاط میں، نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا جائے۔ خواہ یہ نیک لوگ فقراہی کیوں نہ ہوں کیونکہ ان کی صحبت میں اتنے فوائد ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ ’’اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں۔‘‘ یعنی آپ ﷺ کی نظریں ان سے تجاوز کریں نہ آپ اپنی نظروں کو ان سے ہٹائیں۔ ﴿تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’دنیا کی زندگی کی رونق کی تلاش میں‘‘ کیونکہ یہ چیز نقصان دہ ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں یہ تمام دینی مصالح کی قاطع ہے یہ دنیا سے دل کے تعلق کی موجب بنتی ہے، دل میں اندیشے اور وسوسے جاگزیں ہو جاتے ہیں اور دل سے آخرت کی رغبت زائل ہو جاتی ہے۔ دنیا کی زیب وزینت دیکھنے والے کو بہت خوش کن نظر آتی ہے، قلب پر جادو کر دیتی ہے جس سے قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو کر لذات وشہوات میں مگن ہو جاتا ہے تب وہ اپنے وقت کو ضائع کر کے اپنے معاملے میں کوتاہی کا شکار ہوتا ہے۔ وہ دائمی خسارے میں پڑ جاتا ہے اور ابدی ندامت اس کا نصیب بن جاتی ہے، اس لئے فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ ’’اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا‘‘ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو سزا دی کہ اسے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔ ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ’’اور وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگ گیا‘‘ اس کے نفس نے جو چاہا وہ کیا اور اس کو پا لینے کی کوشش کرنے لگا خواہ اس میں اس کی ہلاکت اور اس کے لئے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس اس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ

اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ﴾ (الجاثیۃ: ۴۵/ ۲۳) ’’کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا۔‘‘ ﴿وَکَانَ اَمْرُہٗ﴾ ’’اور اس کا کام ہے‘‘ یعنی اس کے دین و دنیا کے مصالح ﴿فُرُطًا﴾ ’’حد سے نکل جانا‘‘ یعنی ضائع اور معطل ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی اطاعت سے روکا ہے کیونکہ اس کی اطاعت اس کی پیروی کرنے کی دعوت دیتی ہے‘ نیز اس لیے کہ وہ صرف اسی چیز کی طرف دعوت دیتا ہے‘ جس سے وہ خود متصف ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہی شخص اطاعت کے لائق اور لوگوں کا امام بننے کے قابل ہے‘ جس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور اس کی زبان پر محبت الٰہی کا فیضان ہو‘ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو‘ اپنے رب کی رضا کی پیروی کرتا ہو اور اسے اپنے نفس کی خواہشات پر مقدم رکھتا ہو۔ پس اس طرح وہ اپنے وقت کی حفاظت کرے گا‘ اس کے تمام احوال درست اور تمام افعال ٹھیک ہو جائیں گے۔ وہ لوگوں کو اس چیز کی طرف دعوت دے گا جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان کیا ہے۔ پس یہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اس کو امام بنایا جائے۔ آیت مقدسہ میں جس صبر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر ہے۔ یہ صبر کی بلند ترین قسم ہے اس کی تکمیل سے صبر کی باقی تمام اقسام کی تکمیل ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ سے ذکر الٰہی‘ دعا اور دن کے دونوں حصوں میں عبادت کا استحباب مستفاد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر ان کی مدح کی ہے اور جس فعل پر اللہ تعالیٰ فاعل کی مدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس فعل کو پسند کرتا ہے تو اس کا حکم اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ
اور کہہ دیجیے! حق تو ہے تمہارے رب کی طرف سے، سو جو چاہے تو ایمان لائے وہ اور جو چاہے تو کفر کرے، بلاشبہ
اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ
ہم نے تیار کی ہے ظالموں کیلئے ایسی آگ کہ گھیر رکھا ہے انکو اسکی قناتوں نے، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو فریاد رسی کیے جائیں گے ساتھ ایسے پانی کے
كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۲۹ اِنَّ الَّذِيْنَ
جو مانند تیل کی تلچھٹ کے ہوگا، وہ بھون ڈالے گا چہرے (انکے)، برا پینا ہے وہ اور بری آرام گاہ ہے وہ○ بے شک وہ لوگ جو
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۳۰ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ
ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے نیک، بلاشبہ ہم نہیں ضائع کرتے اجر اس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا○ یہی لوگ، انہی کے لیے ہیں
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
باغات ہمیشگی کے، بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، وہ زیور پہنائے جائیں گے اس میں، کنگن سونے کے،

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى

اور وہ پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے، باریک اور موٹے ریشم کے اس حال میں کہ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں اوپر

الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع

ع ٤ ١٦

تختوں کے، اچھا بدلہ ہے (جنت)، اور اچھی آرام گاہ ہے ○

اے محمد (ﷺ)! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے، یعنی ضلالت میں سے ہدایت، گمراہی میں سے راہ راست اور اہل شقاوت و اہل سعادت کی صفات واضح ہو گئی ہیں اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو اپنے رسول ﷺ کی زبان پر واضح کر دیا اور جب حق واضح ہو گیا تو اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔ ﴿فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ ”پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے“ یعنی دو راستوں میں سے ایک راستے کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔ جس پر بندہ توفیق اور عدم توفیق کے مطابق گامزن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ارادے کی آزادی عطا کی ہے، اس آزادی کی بنا پر بندہ ایمان لانے، کفر کرنے اور خیر و شر کے ارتکاب کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جو کوئی ایمان لے آتا ہے اسے حق و صواب کی توفیق عطا ہوتی ہے اور جو کوئی کفر کرتا ہے اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اسے ایمان پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (البقرۃ: ٢/٢٥٦) ”دین میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے واضح ہو گئی ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ ”بے شک ہم نے ظالموں کے لیے تیار کی ہے“ یعنی جنھوں نے کفر، فسق اور معصیت کے ذریعے سے ظلم کا ارتکاب کیا ﴿نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾ ”آگ، جن کو گھیر رہی ہیں اس کی قناتیں“ یعنی آگ کی بڑی بڑی دیواریں ہیں جنھوں نے ان ظالموں کو گھیر رکھا ہے۔ وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہو گا نہ نجات کا کوئی ذریعہ، وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا﴾ ”اور اگر وہ فریاد کریں گے“ یعنی اگر وہ اپنی سخت پیاس بجھانے کے لیے پانی مانگیں گے ﴿يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ﴾ ”تو ملے گا ان کو پانی، جیسے پیپ“ یعنی انھیں پگھلے ہوئے سیسے یا تیل کی تلچھٹ جیسا پانی پلایا جائے گا۔ ﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ ”جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔“ یعنی جو شدت حرارت کی وجہ سے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا، تب انتڑیوں اور پیٹ کا کیا حال ہو گا؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ﴾ (الحج: ٢٢/٢٠-٢١) ”اس گرم پانی سے ان کے پیٹ اور ان کی کھالیں گل جائیں گی اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے۔“ ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ ”کیا برا پینا ہے“ وہ جس سے پیاس بجھانا اور پیاس کے اس عذاب کو دور کرنا مقصود ہو گا مگر اس کے برعکس ان کے عذاب میں اضافہ اور ان کی عقوبت میں شدت ہو گی۔ ﴿وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ”اور کیا بری

(یہ آگ) آرام گاہ ہے‘‘ یہ آگ کے احوال کی مذمت ہے یعنی یہ آرام کی بدترین جگہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں آرام نہیں بلکہ عذاب عظیم ہوگا جو بہت ہی تکلیف دہ ہوگا۔ گھڑی بھر کے لئے بھی یہ عذاب ان سے دور نہیں ہوگا اور وہ سخت مایوسی کے عالم میں ہوں گے۔ وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے جس طرح انہوں نے مہربان اللہ کو فراموش کر دیا وہ بھی انہیں، فراموش کر دے گا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ، فریق ثانی یعنی اہل ایمان کا ذکر فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے‘‘ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نیک کام یعنی واجبات و مستحبات پر عمل کیا ﴿ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴾ ’’بے شک ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے عمل کرتے ہیں۔‘‘ عمل میں احسان یہ ہے کہ اس عمل میں بندے کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور یہ عمل شریعت کی اتباع میں ہو۔ یہی وہ عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرے گا بلکہ اسے عمل کرنے والوں کے لئے محفوظ رکھے گا اور اپنے فضل و کرم سے ان کے عمل کے مطابق انہیں پورا پورا اجر عطا کرے گا اور ان الفاظ میں ان کے اجر کا ذکر فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ ’’ایسے لوگوں کے لیے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں ان کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک دیبا اور اطلس کے سبز کپڑے پہنا کریں گے اور تختوں پر تکیے لگا کر بیٹھا کریں گے۔‘‘ یعنی وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کی صفات سے موصوف ہیں ان کے لئے بلند باغات ہوں گے جن میں بکثرت درخت ہوں گے جو جنت کے رہنے والوں پر سایہ کناں ہوں گے، ان میں بکثرت دریا ہوں گے جو ان خوبصورت درختوں اور عالیشان محلوں کے نیچے بہہ رہے ہوں گے۔ جنت میں ان کے لئے سونے کے زیورات ہوں گے، ان کے ملبوسات سبز ریشم کے بنے ہوئے ہوں گے (سندس) سے مراد دبیز ریشم اور (استبرق) سے مراد باریک ریشم جو عصفر سے رنگا ہوا ہو۔ وہ قیمتی کپڑوں سے آراستہ کئے ہوئے اور سجائے ہوئے تختوں پر براجمان ہوں گے۔ (اریکۃ) کو اس وقت تک (اریکۃ) نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ مذکورہ صفات سے متصف نہ ہو۔

تختوں پر سہارا لگا کر ان کے بیٹھنے کی کیفیت دلالت کرتی ہے کہ وہ کامل راحت میں ہوں گے اور ہر قسم کی تکان ان سے دور ہوگی، خدام ان کی دل پسند چیزوں کے ساتھ ان کی خدمت میں مصروف ہوں گے اور ان تمام امور کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ انہیں جنتوں میں دائمی خلود اور ابدی قیام حاصل ہوگا۔ پس یہ جلیل القدر گھر ﴿ نِعْمَ

﴿الثَّوَابُ﴾ ''کیا خوب بدلہ ہے'' نیک عمل کرنے والوں کے لئے ﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ''اور کیا خوب آرام کی جگہ ہے'' جس میں یہ آرام کریں گے اور اس کی چیزوں سے متمتع ہوں گے جن کی ان کے نفس خواہش کریں گے، آنکھیں لذت اٹھائیں گی، یعنی خوشی، مسرت، دائمی فرحت، کبھی ختم نہ ہونے والی لذتیں اور وافر نعمتیں۔ اس گھر سے بہتر آرام کرنے کی جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے کہ اس کے رہنے والوں میں سے سب سے ادنیٰ شخص اپنی ملکیت اور اپنی نعمتوں میں، اپنے محلوں اور باغوں میں دو ہزار سال چلے پھرے گا اور وہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں دیکھے گا۔ اس کی تمام آرزوئیں اور اس کے تمام مقاصد پورے ہوں گے۔ جہاں اس کی آرزوئیں پہنچنے سے قاصر ہوں گی وہاں ان کے مطالب میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان نعمتوں کا دوام ان کے اوصاف اور حسن میں اضافے کا باعث ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے شر، ہماری تقصیر اور ہمارے گناہوں کے سبب سے ہمیں اپنے اس احسان سے محروم نہ کرے جو اس کے پاس ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ جنت میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے زیورات ہوں گے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿یُحَلَّوْنَ﴾ ''زیور پہنائے جائیں گے'' علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح ریشم کے ملبوسات بھی سب کے لئے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

اور بیان کیجئے ان کیلئے مثال دو آدمیوں کی، کہ بنائے (تھے) ہم نے ایک کیلئے ان میں سے دو باغ انگوروں کے، اور باڑ لگا دی ہم نے دونوں کے گرد

بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ؕ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ

کھجوروں کے درختوں کی، اور کی ہم نے درمیان ان کے کھیتی ○ دونوں باغوں نے دیا اپنا پھل اور نہ کم کیا اس میں سے

شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ

کچھ بھی، اور جاری کر دی ہم نے درمیان ان دونوں کے ایک نہر ○ اور تھا اس کیلئے پھل،

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان کے سامنے دو آدمیوں کی مثال بیان کر دیجئے، ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے دوسرا وہ جو ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا ناشکر گزار ہے اور ان دونوں سے جس قسم کے اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں اور ان کی بنا پر انہیں جو دنیاوی اور اخروی عذاب اور ثواب حاصل ہوگا، تاکہ یہ لوگ ان دونوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں اور انہیں جو عذاب یا ثواب حاصل ہوا اس سے نصیحت پکڑیں۔ ان دونوں آدمیوں کی متعین طور پر معرفت حاصل کرنے اور یہ معلوم کرنے میں کہ وہ کس زمانے اور کون سی جگہ کے لوگ ہیں؟ کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ اور نتیجہ صرف ان کے واقعہ کو بیان کرنے میں ہے۔ ان کے قصہ کے علاوہ دیگر امور میں تعرض کرنا محض تکلف ہے۔ پس ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی

ناسپاسی کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ نے دو باغ عطا کئے، یعنی انگوروں کے دو خوبصورت باغ ﴿وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ﴾ ”اور ان دونوں کے گرد کھجوروں کے درخت تھے“ یعنی ان باغات میں ہر قسم کے پھل تھے خاص طور پر انگور اور کھجور کے درخت جو سب سے افضل درخت ہیں۔ باغ کے وسط میں انگور کی بیلیں تھیں کھجور کے درختوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اس طرح وہ بہت خوبصورت نظر آتا تھا انگور کی بیلوں اور کھجور کے درختوں کو بکثرت ہوا اور سورج کی وافر روشنی حاصل ہوتی تھی، ہوا اور روشنی پھل کی تکمیل اور اس کے پکنے کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ درختوں کے درمیان کھیتی کاشت کی ہوئی تھی۔ پس ان کے لئے اس کے سوا کچھ باقی نہ تھا کہ ان سے کہا جاتا کہ ان دونوں باغوں کے پھل کیسے ہیں؟ کیا ان کو سیراب کرنے کے لئے کافی پانی موجود ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ دونوں باغوں میں سے ہر باغ کا پھل اور اس کی فصل کئی گنا ہوتی تھی ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ ”اور وہ نہیں گھٹاتے تھے اس میں سے کچھ“ یعنی پھل لانے میں تھوڑی سی بھی کسر نہ چھوڑی اور اس کے ساتھ ساتھ دریا پانی سے لبریز اس کے چاروں جانب بہہ رہے تھے۔ ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ﴾ اور اس شخص کا باغ بہت پھل لایا تھا جیسا کہ لفظ (ثَمَرٌ) کے نکرہ ہونے سے مستفاد ہوتا ہے۔ اس کے باغوں کا پھل پوری طرح پک گیا تھا ان کے درخت پھل کے بوجھ سے جھک رہے تھے۔ ان پر کوئی آفت نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس یہ کھیتی باڑی کے پہلو سے دنیا کی زیب وزینت کی انتہا ہے، اس وجہ سے وہ شخص دھوکے میں پڑ گیا، تکبر کرنے اور اترانے لگا اور اپنی آخرت کو فراموش کر بیٹھا۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

پس کہا اس نے اپنے ساتھی سے جبکہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے، میں زیادہ ہوں تجھ سے مال میں، اور زیادہ باعزت ہوں تجھ سے باعتبار جتھے کے ○

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں جبکہ وہ ظلم کرنے والا تھا اپنے آپ پر، اس نے کہا، نہیں گمان کرتا میں یہ کہ تباہ ہوگا یہ (باغ) کبھی بھی ○

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ

اور نہیں گمان کرتا میں قیامت کو قائم ہونے والی، اور البتہ اگر (بالفرض) لوٹایا گیا میں اپنے رب کی طرف تو ضرور پاؤں گا میں

خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

بہتر ان باغوں سے بھی، لوٹ کر جانے کی جگہ ○

ان باغوں کے مالک نے اپنے صاحب ایمان ساتھی سے نہایت فخر سے کہا جبکہ وہ دونوں روزمرہ کے بعض معاملات میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے تھے: ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ ”میرے پاس

تجھ سے زیادہ مال ہے اور زیادہ آبرو والے لوگ'' اس نے اپنے مال کی کثرت اور اپنے اعوان و انصار یعنی اپنے غلام و خدام اور عزیز و اقارب کی طاقت پر فخر کا اظہار کیا۔ یہ اس کی جہالت تھی ورنہ ایک ایسے خارجی امر میں کون سی فخر کی بات ہے جس میں کوئی نفسی فضیلت ہے نہ معنوی صفت۔ یہ تو ایک بچے کا سا فخر ہے جو محض اپنی آرزوؤں پر فخر کرتا ہے جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس نے صرف اپنے ساتھی پر فخر کے اظہار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی جہالت اور ظلم کی بنا پر حکم لگایا اور جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے گمان کو الفاظ کا پیرایہ دیا: ﴿ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴾ ''اس نے کہا، میں نہیں خیال کرتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہو۔'' یعنی یہ باغ کبھی ختم اور مضمحل نہ ہوگا۔ وہ اس دنیا پر مطمئن ہو کر اسی پر راضی ہو گیا اور اس نے آخرت کا انکار کر دیا' کہنے لگا: ﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ ﴾ ''اور نہیں خیال کرتا میں کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا'' یعنی فرض کیا قیامت قائم ہوتی ہے ﴿ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾ ''تو پاؤں گا اس سے بہتر وہاں پہنچ کر'' یعنی اللہ مجھے ان باغوں سے بہتر ٹھکانا عطا کرے گا' اس کی یہ بات دو امور سے خالی نہیں:

(۱) یا تو وہ حقیقت حال کا علم رکھتا ہے تب اس کا یہ کلام ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر ہے یہ اس کے کفر میں اضافے کا باعث ہے۔

(۲) یا وہ حقیقت میں یہی سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا تب وہ دنیا کا جاہل ترین شخص اور عقل سے بے بہرہ ہے۔

دنیا کی عطا اور آخرت کی عطا میں کون سا تلازم ہے کہ کوئی جاہل شخص اپنی جہالت کی بنا پر یہ سمجھے کہ جسے اس دنیا میں عطا کر دیا گیا ہے اسے آخرت میں بھی عطا کیا جائے گا بلکہ غالب طور پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور خاص بندوں سے دنیا کو دور ہٹا دیتا اور اپنے دشمنوں کو دنیا عطا کرتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو حقیقت کا علم تھا مگر اس نے بات محض ٹھٹھے اور تمسخر کے طور پر کہی تھی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ ''اور وہ اپنے باغ میں گیا' جب کہ وہ اپنے ساتھ ظلم کر رہا تھا'' پس باغ میں داخل ہوتے وقت اس سے صادر ہونے والے کلمات سے اس کے وصف ظلم کا اثبات' اس کے تَمَرُّد اور عناد پر دلالت کرتا ہے۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

کہا اس سے اسکے (مومن) ساتھی نے، جبکہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے، کیا کفر کیا ہے تو نے ساتھ اس ذات کے، جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے، پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ

نطفے سے، پھر ٹھیک اور درست بنایا تجھے مرد؟ ○ لیکن (میں تو کہتا ہوں) وہی اللہ میرا رب ہے اور نہیں شریک ٹھہراتا میں اپنے رب کیساتھ،

اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

کسی کو بھی ○ اور کیوں نہیں، جب داخل ہوا تو اپنے باغ میں، کہا تو نے، جو چاہے اللہ (وہی ہوگا)؟ نہیں کوئی قوت مگر ساتھ اللہ (کی توفیق) کے،

یعنی اس کے صاحب ایمان ساتھی نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے اور اس کو اس کی ابتدائی حالت یاد دلاتے ہوئے جس حالت میں اللہ تعالیٰ اسے وجود میں لایا تھا...... کہا: ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ ''کیا تو نے اس ذات کا انکار کیا جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے' پھر قطرے سے' پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد۔'' پس وہی ہے جس نے تجھے وجود بخشا اور تجھ تک اپنی نعمتیں پہنچائیں' تجھے ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل کیا یہاں تک کہ تجھے کامل اعضائے محسوسہ و معقولہ کے ساتھ آدمی بنا کر پیدا کیا' تیرے لئے اسباب میں آسانی پیدا کی اور تجھے دنیا کی نعمتیں مہیا کیں۔ تو اپنی قوت و اختیار سے کبھی یہ دنیا حاصل نہ کر سکتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر فضل و کرم کیا ہے۔ تب تیرے لئے کیونکر یہ مناسب ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے جنم دیا اور نک سک درست کر کے آدمی بنایا اور تو اس کی نعمت کو جھٹلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تیرے مرنے کے بعد وہ تجھ کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا اور اگر اس نے تجھے دوبارہ زندہ کیا تو تجھے تیرے اس باغ سے بہتر باغ عطا کرے گا اور یہ ایسی بات ہے جو تیرے لئے مناسب اور تیرے لائق نہیں۔ جب اس کے مومن ساتھی نے دیکھا کہ وہ اپنے کفر اور سرکشی پر جما ہوا ہے تو اس نے مجادلات و شبہات کے وارد ہونے کے وقت اپنے رب کی شکر گزاری اور اپنے دین کا اعلان کرتے ہوئے بتایا: ﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا﴾ ''میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے' میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔''
پس اس نے اپنے رب کی ربوبیت اور اس ربوبیت میں اس کی یکتائی اور اس کی اطاعت و عبادت کے ضروری ہونے کا اقرار کیا اور یہ کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائے گا' پھر اس نے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان اور اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اگرچہ اس کے پاس مال اور اولاد قلیل ہے' لیکن حقیقی نعمت ایمان اور اسلام ہی ہے اور ان کے سوا ہر چیز زائل ہو جانے والی ہے اور سزا اور عقوبت کی باعث ہے' چنانچہ فرمایا:

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ ۚ فَعَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا

اگر تو دیکھتا ہے مجھے، کہ میں کم تر ہوں تجھ سے مال میں اور اولاد میں ○ تو امید ہے کہ میرا رب، یہ کہ دے وہ مجھے زیادہ بہتر

مِّنْ جَنَّتِكَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا

تیرے باغ سے، اور بھیجے اوپر اس (تیرے باغ) کے کوئی عذاب آسمان سے، پھر ہو جائے وہ (باغ) چٹیل میدان

زَلَقًا ﴿٤٠﴾ ۙ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ

پھسلنے والا ○ یا ہو جائے پانی اس کا گہرا، پس ہرگز نہ استطاعت رکھے تو اسے ڈھونڈ لانے کی ○ اور گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا پھل اس کا،

فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا

سو ہو گیا وہ ملتا تھا دونوں ہتھیلیاں اپنی (افسوس سے) اوپر اسکے جو خرچ کیا تھا اس نے اس میں، جبکہ وہ (باغ) گرا ہوا تھا اوپر اپنی چھتریوں کے

وَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ

اور وہ کہتا تھا، کاش نہ شریک ٹھہراتا میں ساتھ اپنے رب کے کسی کو بھی ○ اور نہ ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت،

يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ

کہ وہ مدد کرتی اس کی سوائے اللہ کے، اور نہ ہوا وہ (خود) بدلہ لینے والا (ہم سے) ○ وہاں تو تمام اختیار

لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ﴿۴۴﴾ ع

اللہ سچے ہی کا ہے، وہی ہے بہتر ثواب (دینے) میں، اور بہتر ہے اچھے انجام سے بہرہ ور کرنے میں ○

ع ۵ ۱۲ ۱۴

یعنی صاحب ایمان شخص نے اس کافر سے کہا کہ تو اگرچہ کثرت مال واولاد کی بنا پر مجھ پر فخر جتاتا ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں مال واولاد کے لحاظ سے تجھ سے کم تر ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جو امید اللہ تعالیٰ کی نوازش اور احسان پر رکھی جا سکتی ہے وہ اس دنیا و مافیہا سے بہتر ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ﴿فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا﴾ ”پس امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے گا، اور بھیجے گا اس پر“ یعنی اس باغ پر جس کی بنا پر تو نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور اس باغ نے تجھے دھوکے میں مبتلا کر دیا ﴿حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ”عذاب آسمان سے“ یعنی طوفانی بارش یا اور کسی قسم کا عذاب ﴿فَتُصۡبِحَ﴾ ”پس اس سبب سے وہ ہو جائے“ ﴿صَعِيۡدًا زَلَقًا﴾ ”میدان صاف“ کہ اس کے تمام درخت جڑوں سے اکھڑ جائیں، اس کا پھل تلف ہو جائے، اس کی کھیتی تباہ ہو جائے اور اس کا فائدہ مفقود ہو کر رہ جائے۔

﴿اَوۡ يُصۡبِحَ مَآؤُهَا﴾ ”یا ہو جائے پانی اس کا“ یعنی باغ کے پانی کا سرچشمہ ﴿غَوۡرًا﴾ ”زمین میں اور گہرا“ ﴿فَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ لَهٗ طَلَبًا﴾ ”پس ہرگز نہیں لا سکے گا تو اسے ڈھونڈ کر“ یعنی اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ تم کھدائی کے آلات کے ذریعے سے بھی وہاں تک نہ پہنچ سکو۔ اس صاحب ایمان شخص نے صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر غضبناک ہو کر اس کے باغ کے لئے بددعا کی تھی کیونکہ اس باغ نے اس کو دھوکے اور سرکشی میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اس باغ پر مطمئن ہو کر رہ گیا تھا۔ اس بددعا کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کی رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آئے اور اپنے بارے میں وہ خوب غور و فکر کرے۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ ﴿وَاُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ﴾ ”اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل“ یعنی اس کے پھل پر عذاب نازل ہو گیا، اس نے اس کا احاطہ کر کے اس کو تباہ کر دیا اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ

چھوڑا۔ پھل کا احاطہ کرنا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے باغ کے تمام درخت، ان کا تمام پھل اور زمین میں کاشت کی ہوئی تمام فصل سب کچھ تباہ ہو گیا۔ پس وہ بے حد نادم ہوا اور اسے سخت افسوس ہوا۔ ﴿فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا﴾ ”پس رہ گیا وہ اپنے ہاتھوں کو پھیرتا ہوا، اس مال پر جو اس نے اس باغ میں لگایا تھا“ یعنی اس نے اپنے باغ پر جو دنیاوی اخراجات کئے تھے وہ سب ضائع ہو گئے اور وہ کف افسوس ملتا رہ گیا اور اس کا کوئی عوض باقی نہ رہا، نیز وہ اپنے شرک اور اپنی بدی پر بھی پشیمان ہوا، اس لئے وہ کہنے لگا: ﴿وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا﴾ ”کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾ ”اور نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت کہ وہ اس کی مدد کرے اور نہ ہوا وہ خود بدلہ لینے والا“ یعنی جب اس کے باغ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو ہر چیز اس کے ہاتھوں سے نکل گئی جس پر وہ فخر کیا کرتا تھا جس کے زعم پر کہا کرتا تھا: ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ یہ اعوان و انصار اس سے کچھ بھی عذاب دور نہ کر سکے جبکہ اسے ان کی سخت ضرورت تھی اور وہ خود بھی اپنی مدد نہ کر سکا اور وہ اس عذاب سے کیسے بچ سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مقابلے میں کون اس کی مدد کر سکتا تھا جس کا فیصلہ جب اللہ تعالیٰ جاری فرما دیتا ہے تو زمین و آسمان کے تمام رہنے والے مل کر بھی اس میں سے کسی چیز کو زائل کرنا چاہیں تو وہ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم سے بعید نہیں کہ اس شخص نے جس کے باغ پر آفت نازل ہوئی تھی، اپنے احوال کی اصلاح کر لی ہو، وہ اپنے رشد و ہدایت کی طرف لوٹ آیا ہو اور اس کا تمام تکبر اور اس کی سرکشی ختم ہو گئی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے شرک پر ندامت کا اظہار کیا تھا اور یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمرد اور سرکشی کو دور کر کے اس کو دنیا ہی میں سزا دے دی ہو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اسے اس دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے۔ عقل و وہم اللہ تعالیٰ کے فضل کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ظالم اور سخت جاہل ہے۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا﴾ ”وہاں سب اختیار اللہ برحق کا ہے، اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے“ یعنی اس حال میں جس میں اللہ تعالیٰ اس شخص کو سزا دینے کا حکم جاری کرتا ہے جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی۔ اور عزت و تکریم اس شخص کے لئے جس نے ایمان لا کر نیک عمل کئے، اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا رہا اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دیتا رہا۔ اس بنا پر واضح ہو گیا کہ حقیقی ولایت کا مالک صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست ہے، وہ اسے مختلف اقسام کی کرامات کے ذریعے سے تکریم بخشتا ہے اور اس کو شر اور تمام آفتوں سے

بچاتا ہے۔ جو اپنے رب پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ اسے اپنا والی اور سرپرست بناتا ہے' وہ دین و دنیا میں خسارہ اٹھاتا ہے...... پس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب بہترین ثواب ہے جس پر امیدوں کو مرتکز ہونا چاہیے۔

اس عظیم قصے میں اس شخص کے حال میں جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتیں عنایت کیں' مگر ان نعمتوں نے اسے آخرت سے غافل کر کے سرکش بنا دیا اور وہ ان میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگا...... لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ ان نعمتوں کا انجام زوال اور اضمحلال ہے اگر بندہ ان نعمتوں سے تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے تو طویل عرصے تک محرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بندۂ مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب اسے اپنے مال اور اولاد میں سے کچھ اچھا لگے تو وہ اس نعمت کو نعمت عطا کرنے والے کی طرف منسوب کرے اور یہ کہے: (مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) تاکہ وہ شکر گزار بنے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی بقا کے لئے سبب بننے والا بنے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَكَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ''کیوں نہ جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں' کہا تو نے' جو چاہے اللہ سو وہ ہو۔ طاقت نہیں مگر جو دے اللہ۔''

ان آیات کریمہ میں لذات دنیا اور اس کی شہوات کے بدلے میں ان بہتر چیزوں کے ذریعے تسلی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ فرمایا: ﴿ اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ ﴾

ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ مال اور اولاد اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مددگار نہ بنیں تو وہ کوئی فائدہ نہیں دیتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤى اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ (السبا: ٣٤/٣٧) ''تمہارا مال اور تمہاری اولاد نہیں' جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو مگر وہی قریب ہوتا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کرے۔'' اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص کا مال اس کی سرکشی' کفر اور اس کے لئے اخروی خسارے کا سبب ہو اس مال کے تلف ہونے کی دعا کرنا جائز ہے۔ خاص طور پر جبکہ وہ اس مال کی بنا پر اپنے آپ کو اہل ایمان سے افضل سمجھتا ہو اور ان پر فخر کا اظہار کرتا ہو۔

ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور عدم ولایت' اس وقت ظاہر ہو گی جب غبار چھٹ جائے گا' جزاوسزا ثابت ہو گی اور عمل کرنے والے اپنا اجر پا لیں گے: ﴿ هُنَالِكَ الۡوَلَایَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ هُوَ خَیۡرٌ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ عُقۡبًا ﴾ ''اس وقت معلوم ہو گا کہ کارسازی تو اللہ برحق کے اختیار میں ہے' اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے''۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ

اور بیان کیجئے ان کیلئے مثال زندگانی دنیا کی، وہ مانند اس پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اسے آسمان سے، پس مل جل گئی ساتھ اس کے

نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

روئیدگی زمین کی، پھر ہوگئی وہ (روئیدگی) چورا چورا، اڑا لے جاتی ہیں اس کو ہوائیں، اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے

مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ

قادر ○ یہ مال اور بیٹے تو زینت ہیں زندگانی دُنیا کی اور باقی رہنے والی نیکیاں

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

بہت بہتر ہیں آپ کے رب کے ہاں ثواب میں، اور بہت بہتر ہیں باعتبار امید کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی سے اصلاً اور ان لوگوں سے تبعاً فرماتا ہے جو آپ کے بعد آپ کے قائم مقام ہیں کہ لوگوں کے سامنے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجیے تاکہ وہ اس زندگی کا اچھی طرح تصور کر لیں اور اس کے ظاہر و باطن کی معرفت حاصل کر لیں۔ پس وہ دنیاوی زندگی اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کے درمیان تقابل کریں اور ان میں جو ترجیح دیئے جانے کی مستحق ہے اسے ترجیح دیں۔ اس دنیاوی زندگی کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے زمین پر برستی ہے جس سے زمین کی روئیدگی بہت گھنی ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگ آتی ہیں۔ پس اس وقت کہ جب اس کی خوب صورتی اور سجاوٹ دیکھنے والوں کو خوش کن لگتی ہے' لوگ اس سے فرحت حاصل کرتے ہیں اور زمین کا یہ حسن غافل لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے کہ اچانک نباتات بُھس بن کر رہ جاتی ہیں اور ہوائیں اسے اڑائے لے جاتی ہیں۔ پس وہ تر و تازہ' خوبصورت اور خوش منظر روئیدگی ختم ہو جاتی ہے' زمین چٹیل میدان بن جاتی ہے جہاں خاک اڑتی ہے جس سے نظریں دور ہٹ جاتی ہیں اور دل وحشت محسوس کرتے ہیں۔

دنیا کی زندگی کا بھی یہی حال ہے دنیا کی زندگی میں مگن شخص کو اپنا شباب بہت اچھا لگتا ہے' وہ اس زندگی میں اپنے ساتھیوں اور ہم جولیوں سے آگے نکل جاتا ہے' اس کے درہم و دینار کے حصول میں لگا رہتا ہے' اس کی لذت سے خوب حظ اٹھاتا ہے' ہر وقت اس کی شہوات کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے اور وہ یہی سمجھتا ہے کہ زندگی بھر اس دنیا کی لذتیں اور شہوتیں زائل نہ ہوں گی...... کہ اچانک موت اسے آ لیتی ہے یا اس کا مال تلف ہو جاتا ہے۔ خوشیاں اس سے روٹھ جاتی ہیں' اس کی لذتیں اس سے چھن جاتی ہیں' اس کا قلب مصائب و آلام سے وحشت کھاتا ہے' اس کی جوانی' اس کی طاقت اور اس کا مال سب اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ نیک یا برے اعمال کے ساتھ اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔

یہی وہ حال ہے کہ جب ظالم کو اس کی حقیقت کا علم ہوگا تو اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔ وہ تمنا کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے' اس لئے نہیں کہ وہ ان شہوات کو پورا کرے جو نامکمل رہ گئی تھیں بلکہ اس لئے کہ اس سے

غفلت میں جو کوتاہیاں صادر ہوئیں توبہ و استغفار اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے ان کی تلافی کر سکے' لہذا عقل مند اور پختہ ارادے والا شخص' جسے توفیق سے نوازا گیا ہو' اپنے آپ پر یہی حالت طاری کرتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے: ''فرض کر لو کہ تم مر چکے ہو' اور موت ایک یقینی امر ہے۔ پس مذکورہ دونوں حالتوں میں سے کون سی حالت کو تو اختیار کرتا ہے؟ اس دنیا کی زیب و زینت سے دھوکہ کھانا' اس سے اس طرح فائدہ اٹھانا جس طرح چراگاہ میں مویشی چرتے ہیں یا ایسی جنت کے حصول کی خاطر عمل کرنا جس کے پھل ہمیشہ رہنے والے اس کے سائے بہت گھنے ہیں۔ وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو دل چاہے گا اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی۔''

پس یہی وہ حالت ہے جس کے ذریعے سے یہ معرفت حاصل ہوتی کہ بندے کو توفیق الٰہی سے نوازا گیا ہے یا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے؟ اسے نفع حاصل ہوا ہے یا خسارہ؟ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ انسان کے لئے جو کچھ باقی رہ جاتا اور جو اسے فائدہ اور خوشی دیتا ہے وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں اور وہ واجب اور مستحب نیکی کے تمام کاموں کو شامل ہیں مثلاً: حقوق اللہ' حقوق العباد' نماز' زکوٰۃ' صدقہ' حج' عمرہ' تسبیح' تحمید' تہلیل' قراءت قرآن' طلب علم' نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا' صلہ رحمی' والدین کے ساتھ حسن سلوک' بیویوں کے حقوق پورے کرنا' غلاموں اور جانوروں کے حقوق کا احترام کرنا اور مخلوق کے ساتھ ہر لحاظ سے اچھا سلوک کرنا' یہ تمام باقی رہنے والی نیکیاں ہیں یہی وہ نیکیاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ان کا اجر و ثواب باقی رہتا ہے اور ابد الآباد تک بڑھتا ہے۔ ان کے اجر و ثواب اور نفع کی ضرورت کے وقت امید کی جا سکتی ہے۔

پس یہی وہ کام ہیں کہ سبقت کرنے والوں کو ان کی طرف سبقت کرنی چاہیے' عمل کرنے والوں کو انہی کے لئے آگے بڑھنا چاہیے اور جدوجہد کرنے والوں کو ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے حال اور اس کے اضمحلال کی مثال دی تو اس کی دو قسمیں بیان کیں:

(۱) دنیاوی زندگی کی زیب و زینت' جس سے انسان بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر بغیر کسی فائدے کے یہ دنیا زائل ہو جاتی ہے اور اس کا نقصان انسان کی طرف لوٹتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کا نقصان اس کیلئے لازم ہو جاتا ہے۔ یہ مال اور بیٹے ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو انسان کے لئے ہمیشہ باقی رہتی ہے اور وہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اور جس دن چلائیں گے ہم پہاڑوں کو اور آپ دیکھیں گے زمین کو صاف کھلی ہوئی اور اکٹھا کریں گے ہم انکو، پس نہ چھوڑیں گے ہم ان میں سے

اَحَدًا ۚ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ۡ

کسی کو ○ اور پیش کیے جائیں گے وہ آپکے رب پر صفیں بنائے ہوئے (کہا جائے گا) البتہ تحقیق آئے ہو تم ہمارے پاس جیسے پیدا کیا ہم نے تمہیں پہلی بار،

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

بلکہ تم تو خیال کرتے تھے کہ ہرگز نہیں مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے وعدہ گاہ○ اور رکھے جائیں گے نامۂ اعمال پس دیکھیں گے آپ مجرموں کو

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

کہ وہ ڈرنے والے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہے، اور کہیں گے، ہائے ہماری کم بختی! کیا ہے اس نامۂ اعمال کو نہیں چھوڑ رہا

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ

کسی چھوٹے (عمل) کو اور نہ بڑے کو، مگر اس نے شمار کر رکھا ہے اس کو، اور وہ پائیں گے، جو عمل کیے تھے انہوں نے، حاضر۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ع ۶ ۵ ۱۸

اور نہیں ظلم کرے گا آپ کا رب کسی پر بھی○

اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن کا حال بیان کرتا ہے کہ اس میں پریشان کن ہولناکیاں اور تڑپا دینے والی سختیاں ہوں گی‘ چنانچہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾ ”اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑ“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی جگہ سے ہٹا کر ان کو ریت کے ٹیلے بنا دے گا‘ پھر ان کو دھنکی ہوئی اون کی مانند کر دے گا پھر وہ مضمحل ہو کر غبار کی مانند اڑ جائیں گے اور زمین ایک ہموار میدان نظر آئے گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس زمین پر تمام مخلوق کو اکٹھا کرے گا کسی کو باقی نہیں چھوڑے گا۔ وہ اگلوں پچھلوں سب کو صحراؤں کے پیٹوں سے اور سمندروں کی گہرائیوں سے نکال کر ایک جگہ اکٹھا کرے گا۔ جب ان کے اجزا بکھر چکے ہوں گے اور وہ پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو نئی زندگی عطا کرے گا۔

پس لوگ صفیں باندھے اس کے سامنے پیش ہوں گے تاکہ وہ ان سے جواب دہی کرے‘ ان کے اعمال دیکھ کر ان کے بارے میں عدل پر مبنی فیصلہ کرے گا جس میں کوئی ظلم و جور نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”تم اسی طرح ہمارے سامنے حاضر ہو گئے ہو، جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (اکیلا اکیلا) پیدا کیا تھا۔“ یعنی لوگ مال و متاع‘ اہل و عیال اور قبیلے کنبے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے۔ ان کے ساتھ صرف وہی اعمال ہوں گے جو وہ کرتے رہے تھے اور نیکی اور بدی ساتھ ہوگی جس کا اکتساب کرتے رہے ہوں گے‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ (الانعام: ۶/۹۴) ”تم اسی طرح ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہو گئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ (اکیلا اکیلا) پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا تھا تم اسے اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہمیں تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی نظر نہیں آتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے شریک ہیں۔“

اس مقام پر اللہ تعالیٰ منکرین آخرت سے مخاطب ہو کر فرمائے گا جب کہ وہ اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیں گے: ﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴾ ''لیکن تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔'' یعنی تم اعمال کی سزا و جزا کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اس جزا و سزا کا وعدہ کر رکھا تھا' لو! اس کا وعدہ آ گیا تم نے اسے دیکھ لیا اور اس کا مزا چکھ لیا۔ اس وقت وہ اعمال نامے حاضر کیے جائیں گے جن کو کراماً کاتبین لکھا کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر دل اڑنے لگیں گے ان کے وقوع سے غم اور مشقتیں بڑھ جائیں گی۔ جن کو دیکھ کر ٹھوس اور سخت چٹانیں بھی پگھل جائیں گی اور مجرم ڈریں گے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان اعمال ناموں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں اور ان کے تمام اقوال وافعال ان اعمال ناموں میں محفوظ ہیں' تو بول اٹھیں گے: ﴿یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا﴾ ''ہائے افسوس! کیسی ہے یہ کتاب' نہیں چھوڑا اس نے چھوٹی بات کو نہ بڑی بات کو' مگر اس نے ان کو شمار کر لیا۔'' یعنی کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ ایسا نہیں جو اس میں لکھا ہوا اور محفوظ نہ ہو اور کوئی کھلا یا چھپا' رات کے وقت کیا ہوا یا دن کے وقت کیا ہوا گناہ ایسا نہیں جو بھولے سے لکھنے سے رہ گیا ہو۔

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ ''اور پائیں گے جو کچھ انہوں نے کیا' سامنے۔'' وہ اس کا انکار نہیں کر سکیں گے ﴿وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' اس وقت ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی' وہ ان اعمال کا اقرار کریں گے' ان اعمال کی بنا پر رسوا ہوں گے اور ان پر عذاب واجب ہو جائے گا۔ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ (آل عمران:۳/۱۸۲' الانفال:۸/۵۱) ''یہ سب کچھ ان اعمال کی جزا ہے جو تم نے آگے بھیجے تھے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔'' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وعدل سے باہر نہیں نکلیں گے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اور (یاد کرو) جب کہا ہم نے فرشتوں سے، سجدہ کرو تم آدم کو تو سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے (نہ کیا)، تھا وہ جنوں میں سے،

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ

پس نافرمانی کی اس نے حکم کی، اپنے رب کے، کیا پھر (بھی) بناتے ہو تم اسے اور اس کی اولاد کو دوست میرے سوا؟ حالانکہ وہ

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا (۵۰)

تمہارے دشمن ہیں' برا ہے ظالموں کے لئے از روئے بدل کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ساتھ ابلیس کی عداوت کا ذکر کرتا ہے' نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم اور اپنے حکم کی تعمیل کے لیے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ پس انہوں نے حکم

کی تعمیل کی۔ ﴿ اِلَّآ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ﴾ ’’سوائے ابلیس کے‘ وہ جنوں میں سے تھا‘ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی‘‘ اور کہنے لگا ﴿ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴾ (بنی اسرائیل:۶۱/۱۷) ’’کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔‘‘ اور کہا: ﴿ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ﴾ (الاعراف:۱۲/۷) ’’میں اس سے بہتر ہوں۔‘‘ اس سے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تمہارے جدامجد سے عداوت رکھتا ہے‘ پھر کیسے تم اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟ ﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ﴾ ’’برا ہے ظالموں کے لیے بدل‘‘ یعنی کتنی بری ہے شیطان کی دوستی اور سرپرستی جو انہوں نے اپنے لئے چنی ہے‘ جو انہیں صرف فحش اور برے کاموں کا حکم دیتا ہے اور رب رحمٰن کی دوستی اور سرپرستی چھوڑ دی جس کی دوستی میں ہر قسم کی سعادت‘ فلاح اور سرور ہے۔

اس آیت کریمہ میں پر زور ترغیب ہے کہ شیطان کو دشمن سمجھا جائے اور وہ سبب بھی بیان کر دیا گیا جو اس کو دشمن قرار دینے کا موجب ہے‘ نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ صرف ظالم شخص ہی اس کو اپنا دوست قرار دیتا ہے اور اس شخص کے ظلم سے بڑھ کر کون سا ظلم ہو سکتا ہے جو اپنے حقیقی دشمن کو دوست سمجھے اور اپنے حقیقی اور قابل تعریف دوست کو چھوڑ دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ﴾ (البقرۃ:۲۵۷/۲) ’’اللہ ان لوگوں کا دوست اور مددگار ہے جو ایمان لائے‘ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور وہ لوگ جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے والی اور مددگار طاغوت ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔‘‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾ (الاعراف:۳۰/۷) ’’انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست اور سرپرست بنا لیا ہے۔‘‘

مَآ اَشْھَدْتُّھُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِھِمْ ۠ وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ

نہیں گواہ بنایا تھا میں نے ان کو پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی، اور نہ پیدائش میں ان کی اپنی ہی اور نہیں میں بنانے والا

الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ

گمراہ کرنے والوں کو بازو (مددگار) ○ اور جس دن کہے گا اللہ، بلاؤ تم میرے ان شریکوں کو جن کا دعویٰ کرتے تھے تم،

فَدَعَوْھُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَھُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

تو وہ بلائیں گے انہیں، سو نہیں جواب دیں گے وہ ان کو، اور بنا دیں گے ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ’’میں نے شیاطین (اور ان گمراہی پھیلانے والوں) کو گواہ نہیں بنایا‘‘ ﴿ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِھِمْ ﴾ ’’آسمانوں‘ زمین اور ان کی اپنی تخلیق پر۔‘‘ یعنی میں نے ان کی پیدائش پر ان کو حاضر کیا نہ ان سے مشورہ لیا۔ پھر وہ ان میں سے کسی چیز کے خالق کیسے کہلا سکتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ تخلیق و

تدبیر اور حکمت و تقدیر میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء کا خالق ہے اور وہی اپنی حکمت سے ان میں تصرف کرتا ہے پس کیسے شیاطین کو اللہ کے شریک ٹھہرایا جاتا ہے ان کو والی و مددگار بنایا جاتا ہے اور ان کی اسی طرح اطاعت کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی جاتی ہے' حالانکہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے نہ کائنات کی پیدائش پر وہ حاضر تھے اور نہ کائنات کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کے معاون و مددگار تھے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴾ ''اور نہیں ہوں میں کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناؤں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں معاونین کا ہونا' اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ وہ تدبیر کائنات کا کچھ حصہ ان کے سپرد کر دے کیونکہ وہ تو مخلوق کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے رب کی عداوت پر کمربستہ رہتے ہیں' اس لیے وہ اسی لائق ہیں کہ وہ ان کو دور رکھے اور اپنے قریب نہ آنے دے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال بیان کیا جنہوں نے دنیا میں اس کے ساتھ شرک کیا تھا اور ان کے شرک کا پوری طرح ابطال کیا اور مشرک پر جہالت اور سفاہت کا حکم لگایا تو قیامت کے روز ان کے خودساختہ شریکوں کی معیت میں ان کا جو حال ہوگا وہ بھی بیان کر دیا' چنانچہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا: ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ﴾ ''پکارو میرے شریکوں کو۔'' یعنی تمہارے اپنے زعم باطل کے مطابق میرے جو شریک ہیں ان سب کو بلا لو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں یعنی اب ان خودساختہ شریکوں کو بلا لو تاکہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکیں اور تمہیں ان سختیوں سے نجات دلا سکیں۔ ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ ''پس یہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔'' اس لیے کہ اس روز اقتدار اور فیصلے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا کسی ہستی کے پاس ذرہ بھر بھی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو یا کسی اور کو کوئی نفع پہنچا سکے: ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ﴾ ''اور کر دیں گے ہم ان کے درمیان'' یعنی مشرکین اور ان کے شریکوں کے درمیان ﴿مَّوْبِقًا﴾ ''ہلاکت کا سامان'' یعنی ہلاکت کا گڑھا ان کے درمیان حائل کر دیں گے جو ان کو جدا کر دے گا اور ان کو ایک دوسرے سے دور کر دے گا۔ اس وقت ان کی ایک دوسرے کے ساتھ عداوت ظاہر ہو جائے گی' ان کے خودساختہ شرکاء ان کا انکار کریں گے اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ (الاحقاف: ٦/٤٦) ''جب تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو اس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔''

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ع (٥٣) ع ١٩

اور دیکھیں گے مجرم لوگ آگ کو تو گمان کریں گے وہ کہ بیشک وہ گرنے والے ہیں اس میں، اور نہیں پائیں گے وہ اس سے پھرنے (بچنے) کی جگہ ○

جب قیامت کے روز حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور مخلوق میں سے ہر گروہ اپنے اعمال کی بنا پر علیحدہ ہو

جائے گا اور مجرموں کے بارے میں عذاب کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ پس وہ جہنم میں داخل ہونے سے قبل جہنم کو دیکھیں گے اور گھبرا جائیں گے اور یہ یقین کر کے کہ ان کو اس میں پھینکا جائے گا ان کا قلق بڑھ جائے گا۔ آیت کریمہ میں مذکور (ظن) کے بارے میں اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہاں (ظن) سے مراد یقین ہے۔ پس انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ’’اور نہیں پائیں گے وہ اس سے پھر جانے کی جگہ۔‘‘ یعنی کوئی جائے پناہ نہیں جہاں وہ پناہ لے سکیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی ان کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ اس آیت کریمہ میں تخویف و ترہیب ہے جس سے دل کانپ اٹھتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ

اور البتہ تحقیق پھیر پھیر کر بیان کی ہے ہم نے، اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال، اور ہے

الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑا لو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت و جلالت اور اس کے عموم کا ذکر کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے قرآن کریم میں ہر قسم کی مثال بیان کی ہے یعنی ہر وہ راستہ واضح کر دیا ہے جو علوم نافعہ اور سعادت ابدیہ تک پہنچاتا ہے اور ہر اس طریق سے آگاہ فرما دیا ہے جو انسان کو شر اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔ پس اس قرآن کریم میں حلال و حرام، جزائے اعمال، ترغیب و ترہیب کی مثالیں ہیں، سچی خبریں ہیں جو اعتقاد طمانیت اور روشنی کے اعتبار سے دلوں کے لئے فائدہ مند ہیں۔ یہ چیز واجب ٹھہراتی ہے کہ قرآن کریم کو اطاعت و انقیاد اور کسی بھی امر میں عدم منازعت کے ساتھ تسلیم کیا جائے...... مگر اس کے باوجود اکثر لوگ، حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی، باطل دلائل کے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ (الکہف: ۵۶/۱۸) ’’تاکہ حق کو نیچا دکھائیں۔‘‘ بنا بریں فرمایا: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ’’اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو‘‘ یعنی بہت جھگڑالو اور بحثیں کرنے والا ہے، حالانکہ یہ اس کے لائق ہے نہ یہ قرین انصاف ہے اور اس کا اللہ پر ایمان نہ لانے کا سبب یہ نہیں کہ اس کو بیان کرنے اور اس کی حجت و برہان کو واضح کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے بلکہ ظلم و عناد ان کے اس رویے کا موجب ہے۔ ورنہ اگر ان پر عذاب اور وہ سختیاں اور مصیبتیں آ جاتیں جو پہلے لوگوں پر آئی تھیں تو ان کا یہ حال نہ ہوتا، اس لئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ

اور نہیں منع کیا لوگوں کو (اس سے) کہ ایمان لائیں وہ، جب آ گئی انکے پاس ہدایت، اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے، مگر

اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

(اس بات نے) کہ (پیش) آئے ان کو معاملہ پہلے لوگوں کا (سا)، یا آئے ان کے پاس عذاب مختلف قسم کا ○

یعنی لوگوں کو ایمان لانے سے کس چیز نے منع کیا ہے حالانکہ ہدایت جس سے راہ راست اور گمراہی' حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے ان تک پہنچ چکی ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے ...... ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ بھی نہیں کہ حق واضح نہیں ہوا بلکہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ ظلم و تعدی ہے۔ پس اب کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ سنت الٰہی کے مطابق وہی عذاب آ جائے جو پہلی قوموں پر آیا تھا؟ جب وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا عذاب ان کے سامنے آ جاتا اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے ...... مطلب یہ ہے کہ پس انہیں ڈرنا چاہیے اور اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے قبل اس کے کہ ان پر عذاب ٹوٹ پڑے جسے روکا نہیں جا سکتا۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے (بنا کر ہی) اور جھگڑا کرتے ہیں، وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾

ساتھ باطل کے تاکہ باطل کر دیں ساتھ اس کے حق کو، اور بنا لیا انہوں نے میری آیتوں کو اور اس چیز کو کہ ڈرائے گئے تھے وہ اس سے، ٹھٹھا مذاق ○

یعنی ہم رسولوں کو عبث اور بے فائدہ نہیں بھیجتے نہ ان کو اس لئے مبعوث کرتے ہیں کہ لوگ ان کو معبود بنا لیں اور نہ اس لئے کہ وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کریں بلکہ ہم نے انہیں صرف اس لئے مبعوث کیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ہر بھلائی کی طرف بلائیں اور ہر برائی سے روکیں' اطاعت کرنے پر ان کو دنیاوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانی کرنے پر دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈرائیں۔ پس رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت قائم ہو گئی۔ بایں ہمہ ظالم کفار باطل ہتھکنڈوں کے ساتھ حق کو نیچا دکھانے کے لئے جھگڑتے ہیں۔ پس جہاں تک ممکن ہوا کفار حق کے ابطال اور اس کے نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد میں کوشاں رہے' انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی آیات کا تمسخر اڑایا اور ان کے پاس جو کچھ علم تھا اسی پر اتراتے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کئے بغیر نہیں رہتا اگرچہ کفار کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو' وہ حق کو باطل پر غالب کرتا ہے۔ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الانبیاء: ٢١/ ١٨) "بلکہ ہم تو باطل پر حق کے ذریعے سے چوٹ لگاتے ہیں جو اس کو نیست و نابود کر دیتی ہے' اور باطل دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت ہے کہ اس کا باطل ہتھکنڈوں کے ذریعے سے حق کے خلاف جھگڑنے والے باطل پسندوں کو مقرر کرنا' حق کے ظہور اور اس کے شواہد و دلائل کی توضیح' باطل اور اس کے فساد کے ظاہر ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ: (بضدها تتبين الاشياء) "اشیاء اپنی ضد ہی سے واضح ہوتی ہیں۔"

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے کہ وہ نصیحت کیا گیا ساتھ آیات کے اپنے رب کی تو اعراض کیا اس نے ان سے، اور بھول گیا وہ، جو کچھ کہ آگے بھیجا تھا

يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

اسکے دونوں ہاتھوں نے، بلاشبہ ہم نے کر دیئے اوپر انکے دلوں کے پردے (اس سے) کہ وہ سمجھیں اس (قرآن) کو، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ

اور اگر آپ بلائیں ان کو ہدایت کی طرف تو ہرگز نہ ہدایت پائیں گے وہ اس وقت کبھی بھی ○ اور آپ کا رب تو بہت بخشنے والا،

ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ

رحمت والا ہے، اگر وہ پکڑے ان کو بہ سبب ان کے جو (عمل) کمائے انہوں نے تو یقیناً جلدی لے آئے ان پر عذاب، بلکہ ان کیلئے

مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ

ایک مقررہ وقت ہے ہرگز نہیں پائیں گے وہ سوائے اسکے کوئی جائے پناہ ○ اور یہ بستیاں، ہلاک کیا ہم نے ان (کے باشندوں) کو،

لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

جب انہوں نے ظلم کیا، اور کر دیا ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر وقت ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس بندے سے بڑھ کر کوئی ظالم اور اس سے بڑا کوئی مجرم نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کی جائے' اس کے سامنے حق اور باطل' ہدایت اور ضلالت کو واضح کر دیا گیا ہو' اسے برے انجام سے ڈرایا گیا اور آخرت کے ثواب کی ترغیب دی گئی ہو...... اور وہ روگردانی کرے' نصیحت نہ پکڑے' اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی سے انجان بنا رہے اور اللہ علام الغیوب کو اپنے اوپر نگران نہ سمجھے۔ پس یہ اس روگرداں شخص کے ظلم سے بڑا ظلم ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی آیات نہیں پہنچیں اور اس کو ان آیات کے ذریعے سے نصیحت نہیں کی گئی...... یہ بھی اگرچہ ظالم ہے مگر وہ پہلا شخص اس سے زیادہ بڑا ظالم ہے کیونکہ علم اور بصیرت رکھتے ہوئے گناہ کرنے والا لاعلمی سے گناہ کرنے والے سے زیادہ بڑا گناہ گار ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے' آیات الٰہی سے اس کے اعراض' اپنے گناہوں کو بھول جانے اور حالت شر پر راضی رہنے کے سبب سے اس کو سزا دی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے علم ہے کہ ہدایت کے دروازے اس پر بند ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب پر پردے ڈال دیے ہیں یعنی مضبوط پردوں نے اس کو آیات الٰہی کے تفقہ سے محروم کر رکھا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتا ہے مگر ان میں ایسا تفقہ حاصل کرنا جو قلب کی گہرائی میں اتر جائے اس کے بس کی بات نہیں۔

﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ ''اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے'' یعنی ان کے کانوں میں گرانی ہے جو ان کو آیات الٰہی کے فائدہ مند سماع سے محروم کر دیتی ہے اور اگر وہ اسی حالت میں رہیں تو ان کی ہدایت کا کوئی راستہ نہیں۔

﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا﴾ ''اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو ہرگز ہدایت پر

نہ آئیں اس وقت کبھی'' کیونکہ داعیٔ ہدایت کی دعوت پر اسی شخص کے لبیک کہنے کی امید ہوتی ہے جو علم نہیں رکھتا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے آیات الٰہی کو خوب دیکھا' بھالا پھر اندھے پن کا مظاہرہ کیا' انہوں نے راہ حق کو پہچان لیا مگر اسے چھوڑ دیا اور گمراہی کی راہ پر گامزن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ ان کے دلوں پر تالے ڈال دیئے اور ان پر مہر لگا دی...... تو ان لوگوں کی ہدایت کا کوئی راستہ اور کوئی حیلہ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے تخویف وترہیب ہے جو حق کو پہچان لینے کے بعد اسے ترک کر دے اور یہ کہ اس کے اور حق کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اس کے بعد اس کے لیے کوئی چیز ایسی نہ رہے جو اس کے حق میں اس سے بڑھ کر ڈرانے والی اور اس غلط روی سے اسے روکنے والی ہو۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے' نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے' جو کوئی توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے اور اسے اپنے احسان میں شامل کر لیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ان کے گناہوں پر گرفت کرے تو ان پر فوراً عذاب بھیج دے مگر وہ حلم والا ہے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے مہمل نہیں چھوڑتا، جبکہ گناہوں کے آثار کا واقع ہونا ضروری امر ہے اگرچہ اس میں طویل مدت تک تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فرمایا: ﴿بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا﴾ ''بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے' ہرگز نہیں پائیں گے اس سے ورے سرک جانے کو جگہ'' یعنی ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ یہ جزا انہیں ضرور ملے گی اور اس جزا وسزا سے بچنے کی ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ ہے نہ کوئی جائے فرار...... اولین وآخرین میں یہی سنت الٰہی ہے کہ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ انہیں توبہ اور انابت کی طرف بلاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر کے رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے اور ان کو اپنی رحمت کے سائے میں لے کر ان سے عذاب کو ہٹا دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے ظلم اور عناد پر جمے رہیں اور وقت مقررہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل کر دیتا ہے۔ بنابریں فرمایا: ﴿وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا﴾ ''اور یہ بستیاں' ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا'' یعنی ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود ان کے ظلم کی بنا پر ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ ﴿وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا﴾ ''اور مقرر کیا تھا ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ'' یعنی ایک وقت مقرر جس سے وہ آگے ہوئے نہ پیچھے۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِفَتٰٮهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤى اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِىَ

اور (یاد کرو!) جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان (یوشع) سے، میں ہمیشہ (چلتا ہی) رہوں گا یہاں تک کہ پہنچ جاؤں میں مجمع البحرین پر یا چلتا رہوں گا میں

حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَيۡنِهِمَا نَسِيَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ

مدت ہائے دراز تک ○ پس جب وہ دونوں پہنچے ملنے کی جگہ پر دونوں (سمندروں) کی تو وہ دونوں بھول گئے مچھلی اپنی، سو بنا لیا اس نے اپنا راستہ سمندر میں

سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا

سرنگ (کی مثل) ○ پس جب آگے گزر گئے وہ دونوں تو موسیٰ نے کہا اپنے جوان سے دے ہمیں ہمارا ناشتہ، البتہ تحقیق دوچار ہوئے ہیں ہم اپنے اس سفر میں

نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ

تھکاوٹ سے ○ اس نے کہا، بھلا دیکھا تو نے؟ جب ٹھہرے تھے ہم چٹان کے پاس تو بلاشبہ بھول گیا میں (وہ) مچھلی، اور نہیں بھلوایا مجھے اس کو،

اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ صلے عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا

مگر شیطان ہی نے، یہ کہ یاد کروں میں اسے، اور بنایا اس نے راستہ اپنا سمندر میں عجیب طرح ○ موسیٰ نے کہا، یہی تو ہے وہ جو کچھ

كُنَّا نَبْغِ صلے فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ لا فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ

تھے ہم چاہتے، پس واپس لوٹے وہ اپنے نشانات پر، انکا اتباع کرتے ہوئے ○ پس پایا ان دونوں نے ایک بندے (خضر) کو ہمارے بندوں میں سے

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

دی تھی ہم نے اسے رحمت اپنی طرف سے اور سکھایا تھا ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک (خاص) علم ○ کہا اس (خضر) سے موسیٰ نے،

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

کیا میں پیروی کرسکتا ہوں تیری اس (شرط) پر کہ تو سکھائے مجھے اس سے جو سکھائی گئی ہے تجھے بھلائی؟ ○ اس نے کہا، بلاشبہ تو نہیں استطاعت رکھے گا

مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ

میرے ساتھ صبر کی ○ اور کس طرح تو صبر کرے گا اس چیز پر کہ نہیں احاطہ کیا تو نے اسکا باعتبار علم کے؟ ○ موسیٰ نے کہا، یقیناً تو پائے گا مجھے اگر

شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ

چاہا اللہ نے صبر کرنیوالا، اور نہیں نافرمانی کروں گا میں تیری کسی حکم کی بھی ○ خضر نے کہا، پس اگر تو پیروی کرنا چاہتا ہے میری تو مت سوال کرنا مجھ سے

عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ع فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا

ع ۹ ۲۱

کسی چیز کی بابت، یہاں تک کہ میں (خود ہی) کروں تیرے لیے اس کا ذکر ○ پس چلے وہ دونوں، یہاں تک کہ جب سوار ہوئے وہ دونوں

فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ

کشتی میں تو اس (خضر) نے شگاف کردیا اس میں، موسیٰ نے کہا، کیا تو نے شگاف کیا ہے اس میں تاکہ غرق کردے اس کشتی والوں کو؟ تحقیق آیا ہے تو

شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ

بہت ہولناک کام کو ○ خضر نے کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے، کہ بیشک تو ہرگز نہیں استطاعت رکھے گا میرے ساتھ صبر کی؟ ○ موسیٰ نے کہا،

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾

نہ مؤاخذہ کر تو میرا اس پر جو بھول گیا میں، اور نہ ڈال تو مجھ پر میرے (اس) معاملے میں تنگی ○

فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ لا قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا

پھر چلے وہ دونوں، یہاں تک کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو قتل کردیا اسے اس (خضر) نے، موسیٰ نے کہا، کیا قتل کردیا تو نے ایک نفس

زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝۷۴

پاک (بے گناہ) کو؟ تحقیق آیا ہے تو نہایت ہی برے کام کو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام ' اور بھلائی اور طلب علم میں ان کی شدید رغبت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے خادم سے فرمایا جو سفر وحضر میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا تھا اور وہ یوشع بن نون علیہ السلام تھے جن کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا: ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ ''جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں۔'' یعنی میں سفر کرتا رہوں گا خواہ مسافت کتنی ہی طویل اور مشقت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو یہاں تک کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں۔ یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی تھی کہ وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے بندوں میں سے ایک بندہ ملے گا جس کے پاس ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں۔ ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ''خواہ برسوں چلتا رہوں۔'' یعنی طویل مسافت تک چلتا چلا جاؤں گا۔ معنی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شوق اور رغبت کی بنا پر اپنے نوجوان خادم سے یہ بات کہی اور یہ ان کا عزم جازم تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ ''پھر جب دونوں پہنچے'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا خادم ﴿مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾ ''دونوں دریاؤں کے ملاپ تک' تو بھول گئے اپنی مچھلی'' ان کے ساتھ مچھلی تھی جوان کے لئے زادراہ تھی جسے وہ تناول کرتے تھے' اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ جہاں یہ مچھلی غائب ہو جائے گی وہیں وہ بندہ رہتا ہے جس کے پاس جانے کا آپ قصد رکھتے ہیں۔ مچھلی نکل کر دریا میں چلی گئی یہ ایک معجزہ تھا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ وہ مچھلی جسے انہوں نے زادراہ کے طور پر لیا تھا' وہ جب اس مقام پر پہنچے تو اسے دریا کی نمی پہنچی اور وہ اللہ کے حکم سے کھسک کر دریا میں چلی گئی اور زندہ ہو کر دیگر حیوانات میں شامل ہو گئی۔

جب موسیٰ علیہ السلام اور ان کا نوجوان خادم اس سنگم سے آگے بڑھ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''لا ہمارے پاس ہمارا کھانا' تحقیق ہم نے پائی اس سفر میں تکلیف'' یعنی ہم اس سفر سے' جو اس سنگم سے متجاوز سفر تھا' تھک گئے ہیں ورنہ اتنا طویل سفر جو انہوں نے دونوں دریاؤں کے سنگم تک کیا' اس میں نہیں تھکے تھے۔ یہ ایک علامت اور نشانی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے لئے دلیل تھی کہ انہوں نے اپنا مقصد پا لیا ہے' نیز اس منزل پر پہنچنے کے شوق نے ان کے لئے سفر کو آسان بنا دیا' جب وہ اس مقام سے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے تھکاوٹ محسوس کی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے یہ بات کہی تو اس نے جواب دیا: ﴿اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ ''کیا دیکھا آپ نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس' سو میں بھول گیا مچھلی' اور یہ شیطان ہی نے مجھے اس کا

ذکر کرنے سے بھلا دیا۔" کیونکہ وہ بھول جانے کا سبب بنا۔ ﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ "اور پکڑا اس نے اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح" یعنی جب مچھلی دریا میں چلی گئی تو یہ چیز عجائبات میں سے تھی۔

مفسرین کہتے ہیں کہ مچھلی کا پانی میں چلے جانا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لئے بڑا تعجب خیز تھا۔

جب موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے یہ بات کہی...... اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ جہاں مچھلی غائب ہو جائے گی، وہیں حضرت خضر کو پائیں گے...... تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ "یہی تو ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے۔" یعنی یہی جگہ مطلوب تھی۔ ﴿فَارْتَدَّا﴾ "پھر الٹے پھرے وہ دونوں" یعنی واپس لوٹے ﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ "اپنے پاؤں کے نشان پہچانتے ہوئے" یعنی اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچے جہاں مچھلی بھول گئے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا اور وہ خضر علیہ السلام تھے، وہ ایک صالح شخص تھے اور صحیح مسلک یہ ہے کہ وہ نبی نہ تھے۔

﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ "جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ علم اور حسن عمل سے بہرہ ور تھے۔ ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ "اور سکھایا تھا اس کو اپنے پاس سے ایک علم۔" حضرت خضر کو وہ علم عطا کیا گیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام بہت سے امور میں ان سے زیادہ علم رکھتے تھے خاص طور پر علوم ایمانیہ اور علوم اصولیہ، کیونکہ حضرت موسیٰ اولوالعزم رسولوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کے ذریعے سے تمام مخلوق پر فضیلت سے نوازا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے ملے تو از راہ ادب و مشاورت اور اپنا مقصد بیان کرتے ہوئے ان سے کہا: ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ یعنی کیا میں آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ علم سکھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں رشد و ہدایت کی راہ پا سکوں اور اس علم کے ذریعے سے ان تمام قضیوں میں حق کو پہچان سکوں؟ خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہام و کرامت سے نوازا ہوا تھا جس کی وجہ سے انہیں بہت سی چیزوں کے اسرار نہاں کی، جو دوسرے لوگوں پر مخفی تھے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی مخفی تھے، اطلاع ہو جاتی تھی۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں ایسا کرنے سے انکار نہیں کرتا لیکن ﴿لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا﴾ "آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے۔" یعنی آپ کو میرے ساتھ رہنے اور میری پیروی کرنے کی قدرت حاصل نہیں کیونکہ آپ ایسے امور ملاحظہ کریں گے جن کا ظاہر برا اور باطن اس کے برعکس ہوگا۔ بنا بریں خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ "اور کیوں کر صبر کریں گے آپ ایسی چیز پر کہ جس کا سمجھنا آپ کے بس میں نہیں۔" یعنی آپ کسی ایسے معاملے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کے ظاہر و باطن کا آپ کو علم ہے نہ اس کے مقصد و مآل کا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴾ ''اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' جس چیز کے بارے میں امتحان تھا' اس کے سامنے آنے سے پہلے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عزم کا اظہار تھا۔ عزم ایک الگ چیز ہے اور صبر کا وجود ایک دوسری چیز ہے' اس لئے جب وہ امر واقع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے۔ اس وقت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ ''پس اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھنا مجھ سے کسی چیز کی بابت' جب تک کہ میں شروع نہ کروں آپ کے سامنے اس کا ذکر'' یعنی مجھ سے کوئی سوال کرنے میں پہل کرنا نہ میرے کسی فعل پر مجھ پر کوئی نکیر کرنا جب تک کہ میں خود ہی آپ کو مناسب وقت پر اس کے حال کے بارے میں نہ بتا دوں۔ یہ گویا حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ بالآخر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کریں گے۔

﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ﴾ ''پس وہ دونوں چلے' یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے' تو اس کو پھاڑ ڈالا'' یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا اور اس کے پیچھے ایک مقصد تھا جس کو وہ عنقریب بیان کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام اس پر صبر نہ کر سکے کیونکہ ظاہری طور پر یہ ایک برا فعل تھا۔ خضر علیہ السلام نے کشتی میں عیب ڈال دیا تھا جو کشتی میں سوار لوگوں کے ڈوبنے کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴾ ''کیا آپ نے اس کو پھاڑ دیا تاکہ ڈبو دیں اس کے لوگوں کو' البتہ کی آپ نے ایک چیز انوکھی'' یعنی آپ نے بہت برا کام سرانجام دیا ہے۔ اس بولنے کا سبب موسیٰ علیہ السلام کا عدم صبر تھا۔ خضر علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴾ ''کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے'' یعنی بالکل اسی طرح واقع ہوا جیسا میں نے آپ سے کہا تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر صادر ہوا تھا' اس لئے انہوں نے کہا: ﴿ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴾ ''میری بھول پر آپ مجھے نہ پکڑیں اور نہ ڈالیں مجھ پر میرا کام مشکل'' یعنی مجھے مشکل میں نہ ڈالئے' میرے ساتھ نرمی کیجئے کیونکہ بھول میں مجھ سے ایسا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ میری گرفت نہ کیجئے۔ پس انہوں نے اقرار اور عذر کو اکٹھا کر دیا۔ اے خضر! اپنے ساتھی پر سختی کرنا آپ کے شایان شان نہیں' چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے درگزر کیا۔

﴿ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا ﴾ ''پھر وہ دونوں چلے' یہاں تک کہ ایک بچے کو ملے'' یعنی چھوٹا سا بچہ ﴿ فَقَتَلَهٗ ﴾ ''پس (خضر علیہ السلام نے) اس کو قتل کر ڈالا'' اس پر موسیٰ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے۔ جب خضر علیہ السلام نے اس چھوٹے سے بچے کو قتل کر دیا جس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا، تو موسیٰ علیہ السلام کی حمیت دینی نے جوش مارا

اور کہنے لگے: ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ ’’کیا آپ نے ایک ستھری جان بغیر عوض کسی جان کے مار ڈالی، بے شک آپ نے ایک نامعقول کام کیا۔‘‘ چھوٹے سے معصوم بچے کے قتل جیسا برا کام اور کون سا ہو سکتا ہے، جس کا کوئی جرم نہیں اور نہ اس نے کسی کو قتل کیا ہے۔

◆